اِسلامیات

آٹھویں جماعت کے لیے

پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بُک بورڈ، لاہور

جملہ حقوق بحق پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور محفوظ ہیں۔
اس کتاب کا کوئی حصہ نقل یا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اسے ٹیسٹ پیپرز، گائیڈ بکس، خلاصہ جات،
نوٹس یا امدادی کتب کی تیاری میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

فہرست مضامین

بابِ اوّل: القرآن الکریم

(ا) ناظرہ قرآن (ب) حفظِ قرآن 1
(ج) حفظ و ترجمہ 4

بابِ دوم: ایمانیات اور عبادات

(ا) عقیدۂ آخرت اور تعمیر سیرت میں اس کا کردار 6
(ب) روزہ: فضیلت اور معاشرتی اثرات 10
(ج) حج اور اس کی عالمگیریت 13

بابِ سوم: سیرتِ طیبہ

(1) خُلقِ عظیم 15
(2) صبر و تحمل 18
(3) ایفائے عہد 21
(4) استقامت 23
(5) حُسنِ معاشرت 26
(6) اخلاص و تقویٰ 29
(7) عدل و احسان 32
(8) اندازِ تربیت و تبلیغ 34
(9) فکرِ آخرت 38
(10) اندازِ گفتگو 40
(11) گھریلو زندگی 43

بابِ چہارم: اخلاق و آداب

(1) خشیتِ الٰہی 47
(2) امر بالمعروف و نہی عن المنکر 49
(3) حقوق العباد (یتیم، بیوہ، معذور، مسافر) 53
(4) کاروبار میں دیانت 58
(5) تعلقات میں منافقت سے اجتناب 60
(6) جہاد 64
(7) اتحادِ ملّی 67
(8) کسبِ حلال 70
(9) نظم و ضبط اور قانون کا احترام 72

بابِ پنجم: ہدایت کے سرچشمے/ مشاہیر اسلام

(1) حضرت عیسیٰ علیہ السلام 74
(2) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا 77
(3) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ 81
(4) محمد بن قاسمؒ 86
(5) بوعلی ابن سیناؒ 89
(6) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ 92

مصنفین

- پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر
- پروفیسر افتخار احمد بھٹہ
- پروفیسر ڈاکٹر سعید اللہ قاضی (مرحوم)
- پروفیسر ڈاکٹر احسان الحق
- پروفیسر ڈاکٹر شبیر احمد منصوری
- عبدالستار غوری (مرحوم)

اضافہ بمطابق نصاب 2006ء :
- حافظ محمد ارشد
- صباحت افضل
- حافظ ڈاکٹر محمد اویس

نظر ثانی

- پروفیسر رخسانہ وسیم
- ڈاکٹر عطاء الرحمان احمد
- قاری محمد احمد صدیق

نگرانِ طباعت: شہزاد محمود علی　　کمپوزنگ اینڈ لے آؤٹ: محمد اعظم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بابِ اوّل

القرآن الکریم

(ا) **ناظرہ قرآن:** پارہ 21 تا پارہ 30 (10 پارے)

(ب) **حفظِ قرآن:** سُوۡرَۃُ الۡفَجۡرِ، سُوۡرَۃُ الۡبَلَدِ، سُوۡرَۃُ الشَّمۡسِ، سُوۡرَۃُ الۡعٰدِیٰتِ، سُوۡرَۃُ التَّکَاثُرِ، سُوۡرَۃُ الۡهُمَزَۃِ

(ج) **حفظ و ترجمہ:** آیَۃُ الۡکُرۡسِیّ، سُوۡرَۃُ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ

وضاحت

معلّم کو چاہیے کہ طلبہ کو ناظرہ والا حصہ (پارہ 21 تا 30) قرآنِ مجید سے باقاعدہ ناظرہ پڑھائے۔ ناظرہ اور حفظ والے حصے کا دورانِ سال بھی امتحان لیا جائے اور سالانہ امتحان کے موقع پر بھی زبانی امتحان لیا جائے اور اس میں حاصل کردہ نمبر رزلٹ شیٹ میں باقاعدہ الگ درج کیے جائیں۔ اسلامیات کے کل نمبروں میں سے اس حصہ کے لیے چالیس فیصد نمبر مقرر کیے گئے ہیں اور اسلامیات میں پاس ہونے کے لیے اس حصے میں کامیابی لازمی ہے۔

(ب) حفظِ قرآن:

سُوۡرَۃُ الۡفَجۡرِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ هَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ
لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾ اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۪ۙ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ۪ۙ﴿۷﴾ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ
مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ۪ۙ﴿۸﴾ وَثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ۪ۙ﴿۹﴾ وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ۪ۙ﴿۱۰﴾

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۙ﴿۱۱﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۙ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ
عَذَابٍ ۚ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ؕ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ
وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ
رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۙ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۙ﴿۱۸﴾
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۙ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ﴿۲۰﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ
دَكًّا دَكًّا ۙ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ
يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۚ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا
يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۙ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ؕ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۖ﴿۲۷﴾
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۙ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۧ﴿۳۰﴾

سُوْرَةُ الْبَلَدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ؕ﴿۴﴾ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾
اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَهَدَيْنٰهُ
النَّجْدَيْنِ ۚ﴿۱۰﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۖ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ؕ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ
فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۙ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ؕ﴿۱۶﴾ ثُمَّ كَانَ مِنَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ؕ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ﴿۱۸﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ؕ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۧ﴿۲۰﴾

سُوۡرَةُ الشَّمۡسِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰىهَا ۙ﴿۱﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۙ﴿۲﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۙ﴿۳﴾ وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰىهَا ۙ﴿۴﴾
وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۙ﴿۵﴾ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰىهَا ۙ﴿۶﴾ وَنَفۡسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ﴿۷﴾ فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا
وَتَقۡوٰىهَا ۙ﴿۸﴾ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ؕ﴿۱۰﴾ كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِطَغۡوٰىهَاۤ ۙ﴿۱۱﴾
اِذِ انۢبَعَثَ اَشۡقٰىهَا ۙ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقۡيٰهَا ؕ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوۡهُ فَعَقَرُوۡهَا ۬ۙ
فَدَمۡدَمَ عَلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ بِذَنۡۢبِهِمۡ فَسَوّٰىهَا ۙ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿۱۵﴾

سُوۡرَةُ الۡعٰدِيٰتِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾
فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۚ﴿۷﴾
وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعۡلَمُ اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِى الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾ وَحُصِّلَ مَا فِى
الصُّدُوۡرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمۡ بِهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّخَبِيۡرٌ ﴿۱۱﴾

سُوۡرَةُ التَّكَاثُرِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

اَلۡهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ
تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ كَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡيَقِيۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِيۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيۡنَ
الۡيَقِيۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ ﴿۸﴾

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ﴿١﴾ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴿٢﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ﴿٣﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٤﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٥﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ﴿٦﴾ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴿٧﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿٨﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿٩﴾

(ج) حفظ و ترجمہ:

اٰيَةُ الْكُرْسِيّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○

ترجمہ: **(البقرۃ:255)**

اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اِس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ، ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُسے نہ اُونگھ آتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اُسی کا ہے۔ کون ہے کہ اس کی اِجازت کے بغیر اِس سے (کسی کی) سفارش کر سکے؟ جو کچھ لوگوں کے روبرو ہو رہا ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے اور وہ اُس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے، ہاں، جس قدر وہ چاہتا ہے (اُسی قدر معلوم کرا دیتا ہے) اِس کی بادشاہی (اور علم) آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دُشوار نہیں۔ وہ بڑا عالی مرتبہ (اور) جلیل القدر ہے۔

سُوْرَۃُ اَلَمْ نَشْرَحْ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ
فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۠﴿۸﴾

ترجمہ:

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا؟ (بے شک کھول دیا) اور آپ پر سے بوجھ بھی اتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ رکھی تھی اور آپ کا ذکر بلند کیا ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے تو جب فارغ ہوا کریں تو (عبادت میں) محنت کیا کریں اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایا کریں۔

باب دوم

ایمانیات اور عبادات

(ا) ایمانیات

عقیدۂ آخرت اور تعمیر سیرت میں اس کا کردار

عقیدۂ آخرت اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے۔ عقیدۂ آخرت سے مراد یہ ہے کہ انسان مندرجہ ذیل باتوں پر دل سے ایمان لائے اور یقین رکھے۔

عقیدۂ آخرت کے اجزا

-1 یہ زندگی عارضی ہے۔ ایک دِن اللہ تعالیٰ تمام دنیا اور اس کی مخلوقات کو مٹا دے گا۔

-2 پھر اللہ تعالیٰ ان کو ایک دوسری زندگی بخشے گا اور سب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ اسے حشر کہتے ہیں۔

-3 اُس دن ہر انسان کا نامۂ اعمال اس کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔

-4 اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اچھے اور برے اعمال کا وزن فرمائے گا۔ جس کی نیکیاں اللہ کی میزان میں برائیوں سے زیادہ وزنی ہوں گی، اسے بخش دے گا اور جس کی برائیوں کا پلہ بھاری رہے گا اسے سزا دے گا۔

-5 جن لوگوں کی بخشش ہوجائے گی وہ جنت میں جائیں گے اور جن کو سزا دی جائے گی وہ دوزخ میں جائیں گے۔ وہی ابدی زندگی ہوگی۔

عقیدۂ آخرت کی عقلی توجیہ

ہر شخص اس سوال کا جواب جاننا چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد ہم کہاں جاتے ہیں؟ اور وہاں ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ لیکن ہمارے پاس یہ بات جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ ہمارے تجربے اور مشاہدے سے بھی باہر ہے اور کسی نے مرنے کے بعد ہمارے پاس واپس آ کر اس کا کوئی جواب بھی مہیا نہیں کیا۔ امین اور سچے رسول ﷺ کے پاس اس کا یقینی علم اس دنیا کے خالق و مالک کی طرف سے بھجوایا ہوا ہے اور ایک اطمینان بخش جواب ہے۔ اسے مان لینا ایک معقول بات ہے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہر شخص عقیدۂ آخرت پر ایمان رکھتا ہے کیونکہ یہ عقیدہ ہمارے سچے رسول ﷺ کی زبانی ہم تک پہنچا ہے اور آج تو علم و عقل بھی اس کی تائید کر رہے ہیں۔ سائنس دان بھی اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ ایک دن سورج ٹھنڈا اور بے نور ہو جائے گا۔ سیارے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور دنیا تباہ ہو جائے گی۔ ''انسان کے تمام اعمال کا ریکارڈ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو رہا ہے۔'' اس بات کا سائنسی ثبوت یہ ہے کہ آواز کی لہریں گرد و پیش کی چیزوں پر اپنا نقش چھوڑ جاتی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ ’’اللہ تعالیٰ حشر کے دن عدالت لگائے گا اور بے مثال حق و انصاف کے ساتھ ہمارے اچھے اور برے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔‘‘ عقل تو خود یہ چاہتی ہے کہ ایسا ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دُنیا میں کوئی شخص نیکی کرتا ہے اور اکثر اوقات اس کا مکمل اور صحیح فائدہ اسے حاصل نہیں ہوتا۔ ایک شخص بدی کرتا ہے اور اکثر حالات میں وہ ہر قسم کی سزا یا نقصان سے یا تو کلیتاً بچ جاتا ہے، یا اسے اس کی برائی کے مقابلے میں بہت معمولی سا نقصان اٹھانا پڑتا ہے جس سے انصاف کے تقاضے کسی طرح پورے نہیں ہوتے۔ ایسی ہزاروں مثالوں کو دیکھ کر عقل انسانی مطالبہ کرتی ہے کہ مکمل جزا و سزا کا ایک دن ضرور ہونا چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ اس پر قادر بھی ہے۔ اسی نے انسان اور کائنات کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اور دوسری مرتبہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے آسان ہے۔

تعمیر سیرت میں عقیدۂ آخرت کا کردار

(ا) عقیدۂ آخرت نیکی کی بنیاد

آخرت کا انکار یا اقرار انسان کی سیرت کے بنانے یا بگاڑنے پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس کی نظر صرف اسی دنیا کے فائدے یا نقصان پر ہے۔ یہ شخص کسی ایسے برے کام سے پرہیز نہ کرے گا جس سے دنیا میں اسے نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو اور نہ وہ کسی ایسے اچھے کام پر آمادہ ہوگا جس سے اُسے دُنیا میں فائدہ ملنے کی اُمید نہ ہو۔ ایسے شخص کے لیے قطعی ناممکن ہے کہ وہ ایک قدم بھی اسلام کے راستے پر چل سکے۔ اسلام کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں غریبوں کو زکوٰۃ دو۔ وہ جواب دیتا ہے زکوٰۃ سے میری دولت گھٹ جائے گی۔ میں تو الٹا اپنے مال پر سُود لوں گا۔ اسلام کہتا ہے کہ سچ بولو اور جھوٹ سے پرہیز کرو۔ خواہ سچائی میں کتنا ہی نقصان اور جھوٹ میں کتنا ہی فائدہ ہو۔ وہ جواب دیتا ہے میں ایسی سچائی کو لے کر کیا کروں جس سے مجھے نقصان ہو اور فائدہ کچھ نہ ہو اور ایسے جھوٹ سے پرہیز کیوں کروں، جو فائدہ مند ہو اور جس میں بدنامی کچھ بھی نہ ہو۔ یہ تمام رویے اُس شخص کے ہیں جو عقیدۂ آخرت کو یا تو مانتا ہی نہیں یا مانتا بھی ہے تو شک کے ساتھ، یقین کے ساتھ نہیں۔

(ب) عقیدۂ آخرت اعلیٰ کردار کی تشکیل کا ذریعہ

اب ذرا دوسرے شخص کا حال ملاحظہ ہو۔ یہ وہ شخص ہے جس کی نظر افعال کے آخری نتائج پر ہے۔ وہ دنیا کے فائدے اور نقصان کو عارضی چیز سمجھتا ہے اور آخرت کے ابدی فائدوں یا نقصان کا خیال کرتے ہوئے نیکی کو اختیار کرتا یا بدی کو چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے شخص کے دل میں اگر کبھی خیال آئے کہ امتحان میں ناجائز ذرائع سے کامیابی حاصل کر لی جائے، رشوت یا سفارش کے ذریعے کوئی اونچا عہدہ حاصل کر لیا جائے، مالک سامنے نہیں تو اُس کی کوئی قیمتی چیز ہی چرا لی جائے جو

مجھے امیر بنادے۔ امانت رکھوانے والا تو مر گیا، کیوں نہ اُس کی امانت ہڑپ کر لی جائے کیونکہ اُس کے بال بچوں کو اس کی خبر ہی نہیں۔ افسر تو دفتر چھوڑ کر کام سے چلا گیا ہے، کیوں نہ اُس کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر چند گھنٹے سیر وتفریح میں یا گپ شپ میں گزار لیے جائیں...... اس قسم کے خیالات دل میں پیدا ہوتے ہی آخرت پر ایمان رکھنے والے شخص کی نظر اُس آنے والے وقت کی طرف اُٹھ جاتی ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے ہر عمل کے لیے جوابدہ ہوگا۔ یہی خیال اُسے دنیاوی لذّات کو چھوڑ کر آخرت کے فائدوں کی طرف مائل کرنے میں مدد دیتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ بات اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''پس لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا ہی میں سب کچھ دے دے۔ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور ان میں سے کوئی ایسا ہے، جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان اعمال کا حصہ (بدلہ) ہے جو انھوں نے کیے۔ اور اللہ جلدی حساب چکانے والا ہے۔'' (البقرہ: 200 تا 202)

(ج) عقیدۂ آخرت: شجاعت، استقامت اور ایثار کا محرک

کبھی آپ نے سوچا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں کر آگ میں کود پڑے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام چھوٹی سی عمر میں کس طرح قربانی کے لیے تیار ہو گئے؟ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دل میں آخر کیا بات تھی جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسین محلات اور شاہانہ زندگی کی بجائے بان کی چارپائی اور کھجور کی چٹائی کو قبول کیا۔

(د) انصاف کہاں؟ اطمینان بخش جواب

اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دولت کے نشے میں چُور ہیں، غرور وتکبر میں مبتلا ہیں، انسانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں، لوگوں کا حق مارتے ہیں، حتیٰ کہ یتیموں اور بیواؤں تک کے مال وجائیداد ہڑپ کر جاتے ہیں۔ دوسری جانب وہ لوگ ہیں جنھوں نے دفاعِ وطن کی خاطر، قیامِ صداقت اور انسانی بقاء کی خاطر ظالم وسنگدل حملہ آوروں اور چوروں لٹیروں کے خلاف جہاد کیا اور کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے فاقہ کشی میں زندگی گزاری، بھوک اور خوف کی آزمائش کا سامنا کیا، لیکن نہ کسی کا حق مارا، نہ کسی سے زیادتی کی۔ بلکہ خود دکھ سہہ کر دوسروں کو آرام پہنچایا۔ خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلایا اور حتی المقدور زندگی بھر انسانیت کی خدمت کرتے رہے۔ ''ان سب کا صلہ کہاں ہے؟'' ایک مومن کے پاس اس کا یقینی جواب یہی ہے کہ آخرت کے گھر میں جو ''ابدی'' ہے۔

(ہ) عقیدۂ آخرت: سچا سہارا اور امید کی کرن

عقیدۂ آخرت ایک مسلمان کا بہت بڑا اور سچا سہارا ہے۔ اس زندگی میں کتنی ہی دشواریاں اور ناکامیاں ہم اس امید پر گوارا کر لیتے ہیں کہ آئندہ زندگی میں ان کی تلافی ہو جائے گی۔ اگر آج یہ عقیدہ ختم ہو جائے تو زندگی میں مایوسی چھا جائے۔ لاکھوں لوگ خودکشی کر لیں۔ بھوکے، دولت مندوں کے کپڑے نوچ لیں اور دنیا کا امن درہم برہم ہو جائے۔

مشق

1- ایمان بالآخرۃ کے اجزا کیا ہیں؟

2- عقیدۂ آخرت کے بغیر نیکی اور حسنِ اخلاق کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی، وضاحت کریں۔

3- اطاعتِ الٰہی اور اعلیٰ کردار صرف عقیدۂ آخرت ہی کے ذریعے ممکن ہے، تشریح کریں۔

4- تعمیر سیرت کے سلسلے میں عقیدۂ آخرت کے کردار پر ایک مفصل مضمون تیار کریں۔

5- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) دوسری زندگی میں جس دن سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوں گے، اسے.................. کہتے ہیں۔

(ب) نامۂ اعمال میں انسان کے چھوٹے بڑے تمام.................. درج ہوں گے۔

(ج) جس اللہ نے انسان اور کائنات کو پہلی دفعہ پیدا کیا ہے اس کے لیے .... مرتبہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے۔

(د) آخرت کی جواب دہی کا احساس انسان کو ظلم اور برائی سے روکنے کا بہترین.................. ہے۔

(ہ) عقیدۂ اخرت ایک مسلمان کا بہت بڑا اور سچا.................. ہے۔

سرگرمی برائے طلبہ

اپنے اساتذہ کی رہنمائی اور کتابوں کے مطالعے کے ذریعے عقیدۂ آخرت پر ایک مفصل نوٹ لکھیں۔ اس پر ایک انعامی مقابلے کا اہتمام کریں۔ اپنے مضمون پر اپنے اساتذہ، والدین اور دیگر صاحب علم و تحقیق لوگوں سے مشورہ اور اصلاح حاصل کریں اور اسے اپنے سکول میگزین یا اخبارات و رسائل میں اشاعت کے لیے بھجوائیں۔

(ب) عبادات

1- روزہ (فضیلت اور معاشرتی اثرات)

روزہ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اس کے لئے قرآن وحدیث میں لفظ ''صوم یا صیام'' استعمال ہوا ہے۔ جس کے لغوی معنی '' رک جانے یا بچ جانے'' کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں وہ عبادت جس میں ایک مسلمان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور اپنی جائز نفسانی خواہشات سے رُک جاتا ہے اسے '' صوم یعنی روزہ'' کہا جاتا ہے۔

روزے کی فضیلت

اسلامی عبادات میں روزے کے بہت زیادہ فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔

ترجمہ: ''جب رمضان داخل ہوتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔''

رمضان المبارک کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روزے دار کو بے حساب اجر وثواب عطا کرتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''ابن آدم جو نیک عمل کرتا ہے اس کا اجر (اللہ تعالیٰ کے ہاں) دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سوائے روزہ کے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا اجر (ثواب) دوں گا۔''

کسی روزہ دار کو افطار کرانا بھی بے حد اجر وثواب کا باعث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس (ماہِ رمضان) میں کسی روزہ دار کو (روزہ) افطار کرائے گا۔ اس کے گناہوں کی معافی ہے اور وہ خود کو جہنم سے بچا لے گا اور اسے روزے دار جتنا ہی ثواب ملے گا جبکہ اس روزہ دار کے اپنے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔'' روزہ اور دوسری عبادات میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ نماز، زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی لوگوں سے چھپ کر نہیں کی جا سکتی لیکن روزہ ایسی عبادت ہے جس میں روزہ دار اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ روزہ دار چاہے تو چھپ کر کھا پی سکتا ہے مگر وہ صبر سے کام لیتا ہے۔ کیونکہ اُسے اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید ہوتی ہے۔

بخشش کا ذریعہ

روزہ انسان کے سابقہ گناہوں کی معافی و بخشش کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهُ اِيْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

ترجمہ: ''جس نے رمضان المبارک کے روزے اور راتوں کا قیام ایمان اور احتساب (ثواب کی نیت) سے کیا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے گئے۔''

روزہ دار کے لیے دو خوشیاں

آپ ﷺ کا فرمان ہے: لِلصَّائِمِ فَرْحَتٰنِ فَرْحَةٌ عِنْدَ اِفْطَارِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ۔

ترجمہ: ''روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔''

دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔''

روزے کے معاشرتی اثرات

اسلامی عبادات کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہی نہیں ہے بلکہ ان عبادات کی وجہ سے معاشرے کی بہت سی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اور دنیاوی زندگی بھی پر سکون ہو جاتی ہے۔

☆ روزے کی وجہ سے نیکی اور تقویٰ کی فضا پیدا ہوتی ہے جس کی بنا پر مسلمانوں میں عبادت کا شوق بڑھ جاتا ہے۔

☆ روزہ انسان میں بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے جس سے انسان مشقت اٹھانے کا عادی بن جاتا ہے۔

☆ ایک مقررہ وقت پر اُٹھنا اور سحری نوش کرنا اور مقررہ وقت پر روزہ افطار کرنا انسان میں پابندی وقت کی خوبی پیدا کر دیتا ہے۔

☆ روزہ انسان کو جھوٹ، غیبت، حرام خوری اور بے شمار غلط خواہشات پورا کرنے سے روکتا ہے۔اگر انسان روزہ رکھ کر ان برائیوں سے نہ رکے تو روزے کا کوئی فائدہ نہیں۔جیسا کہ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے:
''جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنے سے اور بُرے کاموں سے نہیں بچتا تو اللہ تعالیٰ کو اُس کا کھانا پینا چھوڑنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔''

☆ رمضان المبارک میں لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کیلئے ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے رمضان المبارک کا نام '' شَهْرُ الْمَوَاسَاةِ '' رکھا ہے۔یعنی یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ ہمدردی اور غمگساری کا مہینہ ہے۔کیونکہ جب روزہ دار کو بھوک اور پیاس کا تجربہ ہوتا ہے تو اُسے بھوکے اور پیاسے لوگوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔

☆ جب تمام لوگ روزے کے دوران ایک ہی کیفیت سے گزرتے ہیں تو اُن میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے۔

☆ روزہ سے انسانی صحت بہتر ہوتی ہے کیونکہ معدے کا ہر وقت بھرا رہنا جسمانی صحت کے لئے خطرناک ہے۔ رمضان المبارک میں تیس دن (ایک ماہ) کے لئے لگاتار سارا دن معدے کو خالی رکھنے کی مشق کی جاتی ہے۔جس بنا پر جسمانی صحت بہتر ہو جاتی ہے۔جس سے ایک صحت مند اور توانا معاشرہ جنم لیتا ہے۔

مشق

1- درج ذیل کے تفصیلی جواب تحریر کیجیے:

(ا) روزے کا مفہوم بیان کیجئے۔

(ب) روزے کے فضائل بیان کیجئے۔

(ج) روزے کے معاشرتی فوائد بیان کیجئے۔

2- درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کیجئے:

(ا) روزے کا اصطلاحی معنیٰ کیا ہے؟

(ب) روزہ اور دوسری عبادات میں کیا فرق ہے؟

(ج) روزہ دار کیلئے کتنی خوشیاں ہیں؟

(د) رمضان میں دوسرے لوگوں کے لیے کیا جذبہ بیدار ہوتا ہے؟

(ہ) شَهْرُ الْمَوَاسَاةِ کسے کہا جاتا ہے؟

3- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) روزہ ارکان اسلام میں سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رکن ہے۔

(ب) روزہ گناہوں سے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کا ذریعہ ہے۔

(ج) روزے مسلمانوں پر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں فرض کئے گئے۔

4- دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(1) روزہ کے معنی ہیں:

(ا) کھانا پینا (ب) رُک جانا (ج) بڑھنا (د) تنگ ہونا

(2) اے ایمان والو! تم پر روزے کر دیئے گئے ہیں:

(ا) سنت (ب) معاف (ج) نفل (د) فرض

(3) ماہِ رمضان وہ ہے جس میں آسمانی کتاب نازل ہوئی:

(ا) تورات (ب) زبور (ج) قرآن پاک (د) انجیل

(4) روزے دار کے لئے خوشیاں ہیں:

(ا) دو (ب) چار (ج) تین (د) پانچ

سرگرمی برائے طلبہ: اساتذہ کرام کی زیرنگرانی روزے کے معاشرتی اثرات نیز اس کے فضائل جماعت کے سامنے بیان کریں۔

2- حج اور اس کی عالمگیریت

''حج'' کے لغوی معنی ہیں ''زیارت کا ارادہ کرنا'' شریعت میں اسے حج اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں ایک مسلمان بیت اللہ شریف کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے۔ حج ہر بالغ اور صاحبِ استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض کیا گیا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو، اس کے گھر کا حج کرے۔اور جس نے کفر (و نافرمانی) کی روش اختیار کی تو اللہ سب اہل عالم سے بے نیاز ہے۔(آل عمران:97) اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جس شخص کو کسی بیماری یا واقعی ضرورت یا ظالم حکمران نے روک نہ رکھا ہو اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے، تو چاہے وہ یہودی مرے چاہے نصرانی۔'' حج اسلام کا پانچواں بنیادی رکن ہے۔

سفرِ حج کا ارادہ کرنے کے بعد جوں جوں انسان اپنی منزل کی جانب بڑھتا ہے، اس کے اندر نیکی کا جذبہ پروان چڑھتا جاتا ہے۔اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس سے کسی کو اذیت نہ پہنچے۔جس کی جتنی خدمت ہو سکے، کرے۔وہ حرمِ الٰہی کا مسافر ہونے کی حیثیت سے ہر برے کام سے باز رہتا ہے۔اس طرح یہ پورا سفر عبادت ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ

اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجیے کہ بے شمار قوموں اور ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ہو کر ایک مرکز کی طرف چلے آرہے ہیں۔شکلیں، رنگ، زبانیں مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد تک پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس ترک کر دیتے ہیں اور ایک ہی طرز کا سادہ سا یونیفارم پہن لیتے ہیں جسے احرام کہا جاتا ہے۔اس کے پہنتے ہی ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطانِ عالم اور زمین و آسمان کے مالک کی یہ فوج جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آرہی ہے، ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے اور یہ سب لوگ ایک ہی بادشاہ کے دربار میں پیش ہونے جارہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات (احرام باندھنے کی مقررہ جگہ) سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے ایک ہی نعرہ بلند ہوتا ہے۔

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ ط لَا شَرِیْكَ لَكَ ط

''حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ یقیناً
تعریف سب تیرے ہی لیے ہے، نعمت سب تیری ہے، ساری بادشاہی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

ملّی وحدت

بولیاں سب کی مختلف ہیں مگر نعرہ سب کا ایک ہے۔مختلف ملکوں کے قافلے ملتے جاتے ہیں اور سب کے سب مل کر ایک ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت، سب کی عبادت کی ایک ہی زبان، سب ایک اللہ اکبر کے اشارے پر اُٹھتے بیٹھتے اور رکوع و سجود کرتے ہیں اور سب اسی ایک قرآن کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں،

نسلوں، قومیتوں اور وطنوں کا اختلاف مٹتا ہے اور ایک اللہ کو ماننے والوں کی ایک عالمگیر جماعت تشکیل پاتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے یک زبان ہوکر، لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں تو ایک عجیب سی فضا پیدا ہوجاتی ہے جس کے نشے میں سرشار ہوکر آدمی اپنی ذات کو بھول جاتا ہے اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہوکر رہ جاتا ہے۔

مناسکِ حج

سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کُوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا، پھر سب کا رات کو مزدلفہ میں چھاؤنی ڈالنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا، پھر سب کا جمرات پر کنکریاں مارنا، پھر سب کا قربانیاں کرنا، پھر سب کا ایک ساتھ کعبے کی طرف پلٹ کر ''طوافِ زیارۃ'' کرنا اور سب کا ایک ہی مرکز کے گرد نماز پڑھنا...... یہ سب اعمال وہ کیفیت پیدا کرتے ہیں جس کی مثال پوری دنیا میں یا کسی مذہب کے کسی عمل میں نہیں ملتی۔

حج ایک عظیم نعمت

تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا اور صرف ایک دفعہ ہی مل کر نہ رہ جانا، بلکہ ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، وہ نعمت ہے جو اسلام کے سوا اولادِ آدم کو کسی نے عطا نہیں کی۔ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کی بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے حج سے بہتر کوئی نسخہ کسی نے تجویز نہیں کیا۔ اسی لیے سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بے شک حج گناہوں کو اس طرح دھوڈالتا ہے جیسے پانی میل کچیل کو دھوڈالتا ہے۔''

مشق

1- اسلام میں حج کو کیا حیثیت حاصل ہے؟ تفصیل سے بیان کریں۔

2- سفرِ حج کے دوران عالمِ اسلام کے اتحاد کی جو روح نمایاں ہوتی ہے، مثالیں دے کر بیان کریں۔

3- مکہ مکرمہ اور بیت اللہ شریف پہنچنے کے بعد ملّت اسلامیہ کی وحدت کے کیا مناظر دکھائی دیتے ہیں؟

4- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) حج کے لغوی معنی ہیں..................کا ارادہ کرنا۔

(ب) جو بھی استطاعت رکھتا ہو، اللہ کے گھر کا..................کرے۔

(ج) حج کا احرام باندھنے کی مقررہ جگہ کو..................کہتے ہیں۔

(د) اے اللہ میں..................ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔

(ہ) بے شک حج ....کو دھوڈالتا ہے۔

بابِ سوم

سیرتِ طیبہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے، نبی اور رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی ایک کامل انسان کی زندگی ہے جو ہمارے لیے زندگی گزارنے کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

ترجمہ: تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

یعنی دنیا میں اگر تم کامیاب زندگی گزارنا چاہتے ہو، جس سے تمھاری دنیا بھی آباد رہے اور آخرت کی کامیابی کی ضمانت بھی ملے تو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے اُسوۂ حسنہ کو اپنانے کی کوشش کرو۔

اگلے چند اسباق میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس اسوۂ حسنہ کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

1- خُلقِ عظیم

دعوت دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بلند اخلاق اور رحیم و شفیق ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہایت رحیم و شفیق بنایا اور اس بات کی گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے کوئی ایسی خوبی نہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں موجود نہ ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (الانبیاء:107)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو (تمام) جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

عفو و درگزر

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مرعوب ہو کر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وہ تلوار اٹھائی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسے قتل کر سکتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے معاف فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ''وحشی'' مسلمان ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے کوئی سزا نہ دی اور

صدقِ دل سے معاف فرما دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذمے ایک شخص کا قرض تھا۔ ایک دن آ کر وہ بہت سختی کے ساتھ مطالبہ کرنے لگا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گلے میں چادر ڈال کر اتنا زور دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گردن مبارک سرخ ہو گئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آگے بڑھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انھیں منع کرتے ہوئے فرمایا: ''اُسے ایسا کرنے کا حق ہے۔''

لوگوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نرمی اور حسنِ سلوک کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران:159)

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت کے سبب سے تم اُن کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمھارے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر سب دشمن یہ سمجھ رہے تھے کہ آج اُن کی خیر نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے یا ابوسفیان کے گھر یا بیت اللہ میں پناہ لے لے، وہ امن میں ہوگا۔ فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان فرمایا: ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

جانوروں پر شفقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت و شفقت انسانوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جانوروں کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کا معاملہ فرماتے۔ چنانچہ ایک صحابی نے جب کسی پرندے کے بچوں کو اٹھایا اور وہ شور مچانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ کس نے اس پرندے کے بچوں کو اٹھا کر بے قرار کیا ہے۔ اس پر اس صحابی نے بچے لا کر اُدھر رکھ دیے جس کے بعد اس پرندے کو قرار آیا۔ ایک دفعہ ایک اونٹ والے کو اس کے اونٹ کے بارے میں نرمی کرنے، کافی خوراک دینے اور طاقت کے مطابق بار لادنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے ''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔''

بچوں سے پیار

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بوسہ لیا۔ ایک بدو اقرع بن حابس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس بیٹھا تھا۔ بولا میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی ان میں سے کسی کو پیار نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ''جو شخص رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔'' اسی طرح فرمایا ''جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔''

مشق

1- سورہ احزاب کی اکیسویں آیت مع ترجمہ لکھیں۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو درگزر کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

3- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانوروں پر شفقت کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

4- ''مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ'' کا ترجمہ لکھیے۔

5- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) تم زمین والوں پر رحم کرو،..................والا تم پر رحم کرے گا۔

(ب) فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا: ''جاؤ تم سب..................ہو۔''

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل..................کو بھی معاف فرمادیا۔

(د) جو شخص ہمارے..................پر رحم نہیں کرتا، وہ ہم میں سے نہیں۔

(ہ) جو شخص..................نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

سرگرمی برائے طلبہ

جانوروں سے اچھا سلوک کرنے کے حوالے سے طلبہ کمرۂ جماعت میں ایک مذاکرے کا اہتمام کریں۔

2- صبر و تحمل

صبر کے معنی ہیں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا، تکالیف برداشت کرنا، کسی بات پر ثابت قدم رہنا۔ قرآن پاک سے صبر کے جو معنی معلوم ہوتے ہیں، وہ یہ ہیں: ہر حال میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا، مشکلات کا دلیری اور بہادری سے سامنا کرنا اور اسلام اور ملک کو درپیش خطرات کا جواں مردی سے مقابلہ کرنا۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ایمان اور نیکی پر قائم رہنا اور ان کے پھیلانے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوشش کرنا۔

صبر سے متعلق قرآنی تعلیمات

قرآن پاک نے صبر کا بیان بہت اچھے انداز میں کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۝
الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ۝ (البقرۃ:155,156)

ترجمہ: ''اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک اور مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور خوشخبری دے دیجیے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔''

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ تمام آزمائشوں اور مشکلات میں اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا اور اُس سے گلے شکوے نہ کرنا صبر کہلاتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے:

اَلَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ (النحل:42)

ترجمہ: ''صبر کرنے والے اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں۔''

مایوس نہ ہوں

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دینے والا ہے۔ مگر اس کے لیے محنت کرنے کی ضرورت ہے اور محنت کے باوجود بھی اگر انسان کسی معاملے میں ناکام ہوتا ہے، تو اس کو اللہ کی طرف سے ایک آزمائش سمجھنا اور خوشی سے برداشت کرنا چاہیے۔ بندہ ناامید نہ ہو بلکہ اپنی محنت جاری رکھے اور اس وقتی ناکامی کو اپنے مستقبل کے لیے کامیابی کا زینہ سمجھے۔

اِترائیں نہیں

یہ بھی صبر ہے کہ انسان خوشی اور خوشحالی میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ بسا اوقات لوگ خوشی اور خوشحالی میں

قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، اللہ کی نعمتوں کی بے قدری کرتے ہیں اور فخر و غرور کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے ہر حالت میں، خواہ وہ خوشی کی ہو یا پریشانی اور تکلیف کی، صبر کرنے کی تلقین کی ہے۔

تحمل

تحمل کا لفظ اکثر و بیشتر صبر کے ساتھ استعمال ہوتا رہتا ہے۔ اس کے معنی ہیں برداشت کرنا یعنی دشمن کی طرف سے ہر قسم کی تکلیف، گستاخی اور ضرر کو برداشت کرنا، زندگی میں پیش آنے والے ناگوار حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا اور مسلسل آگے بڑھنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت

ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ مصیبت اور مشکل میں صبر و تحمل سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے ایک اہم کام یہ لگایا کہ وہ اسلام اور قرآن کا پیغام عام کرنے کے لیے بھرپور کوشش کریں۔ آپؐ نے یہ سارا کام 23 سال کے عرصے میں پورا کیا۔ اس کام کی تکمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر قسم کی تکلیف سے دو چار ہونا پڑا۔ اپنا آبائی شہر مکہ چھوڑنا پڑا۔ شعب ابی طالب کے مقاطعہ و اسیری میں تین سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خاندان کو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کو مختلف قسم کی تکالیف اور فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف میں دین کی تبلیغ کے لیے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آوازے کسے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زخمی کر دیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتے خون سے بھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کش بھی کی گئی کہ اگر آپؐ چاہیں تو ان کافروں کو تباہ کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے میرے رب! ان لوگوں کو ہدایت دے، یہ مجھے جانتے اور پہچانتے نہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی سربلندی اور اشاعت کے لیے بدر و حنین اور اُحد و اَحزاب میں دشمن کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے۔ مگر اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کی سربلندی اور کفر کو مٹانے کے لیے ان تمام تکالیف اور مشکلات کو صبر و تحمل سے برداشت کیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہر حالت میں اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں اور زندگی کے ہر میدان میں ہر قسم کی تکالیف اور مشکلات کو صبر و تحمل سے برداشت کر کے آگے بڑھیں۔

مشق

1- مختصر جواب دیں جو ایک جملے سے زیادہ نہ ہو:

(أ) کوئی تکلیف پہنچے تو ایک صابر انسان کو کیا کہنا چاہیے؟

(ب) تحمل کے معنی بیان کریں۔

(ج) ایمان والوں کو مصیبت اور مشکل کے وقت کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

(د) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمے کیا اہم کام لگایا؟

(ہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام اور قرآن کی دعوت کا کام کتنے عرصے میں مکمل کیا؟

(و) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دانت مبارک کس غزوہ میں شہید ہوئے؟

2- خالی جگہیں پر کیجئے۔

(أ) صبر کے .... ہیں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا۔

(ب) قرآن پاک نے .... کا بیان بہت اچھے انداز میں کیا ہے۔

(ج) تمام آزمائشوں میں اپنے آپ کو .... کے سپرد کر دینا چاہیے۔

(د) اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ .... والا ہے۔

(ہ) ایمان والوں کی صفت یہ ہے کہ وہ مصیبت میں .... سے کام لیتے ہیں۔

سرگرمی برائے طلبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت کے واقعات کو کمرۂ جماعت میں مذاکرہ کے انداز میں دُہرائیں۔

3-ایفائے عہد

کسی سے جو وعدہ یا قول وقرار کیا جائے اس کو پورا کرنا، وعدے کی پابندی یا ایفائے عہد کہلاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے اور سچے لوگوں کی علامت بھی۔ اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے:

لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ (الزمر:20) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔''

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ (الحج:47) ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔''

وعدہ کی پابندی جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اسی طرح اس نے اپنے بندوں کو بھی وعدہ پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشادِ ربّانی ہے: وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ○ (بنی اسرائیل:34)

ترجمہ: اور وعدہ پورا کیا کرو۔(قیامت کے دن) وعدے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

وعدہ پورا کرنا

اللہ تعالیٰ نے اپنے راست باز اور اچھے بندوں کی صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے وعدے پورے کرتے ہیں:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ (البقرۃ:177) ''اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں۔''

کامل ایمان رکھنے والے مسلمانوں کی صفت بھی ایفائے عہد ہی قرار دی گئی ہے۔ارشادِ ربّانی ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ○ (المومنون:8)

ترجمہ: ''اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی نگہبانی کرتے ہیں۔''

قسم اور قول کی پابندی

عہد اس معاہدے کو بھی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام کی قسمیں کھا کر بندے آپس میں کرتے ہیں۔ارشادِ ربّانی ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (النحل:91)

''اور اللہ کا نام لے کر جب تم آپس میں ایک دوسرے سے قول و قرار کرو تو اسے پورا کرو اور قسموں کو پکا کر کے توڑا نہ کرو۔''

قرآن پاک میں عہد کی پابندی کے ساتھ ساتھ عقد کی پابندی کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ (المائدۃ:1)

ترجمہ: ''اے مومنو! اپنے قراروں کو پورا کرو۔''

عقد کے لفظی معنی گرہ لگانے کے ہیں۔ اس سے مراد لین دین اور معاملات میں اپنے تحریری اور زبانی وعدوں کا خیال رکھنا ہے۔

حُسنِ عہد

ایک بڑھیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپؐ نے پوری تفصیل سے اس کا حال پوچھا۔ جب وہ چلی گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی طرف اس قدر توجہ کیوں فرمائی؟ آپؐ نے فرمایا ''یہ خدیجہؓ کے زمانے میں ہمارے ہاں آیا کرتی تھی اور حسنِ عہد ایمان سے ہے'' یعنی اپنے ملنے جلنے والوں سے یکساں سلوک کرنا ایمان کی نشانی ہے۔

ایفائے عہد دین داری کی علامت

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''لَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ'' ترجمہ: ''جو اپنے وعدے اور قول وقرار کا خیال نہیں رکھتا اس میں دین نہیں ہے۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وعدے کی پابندی دین داری کی علامت ہے اور وعدے کی خلاف ورزی کرنا دین میں کمزوری کی علامت ہے۔ عہد یا عقد وہ قول وقرار ہے جو بندہ اللہ سے کرتا ہے یا بندہ بندے سے کرتا ہے۔ اس کو پورا کرنا اللہ اور بندوں کا حق ادا کرنا ہے۔ حقوق کی اس ادائیگی کا نام دین ہے اور جو شخص اپنے خالق ومالک سے کیے ہوئے اپنے وعدے کو پورا نہیں کرتا وہ دین کی روح سے محروم رہتا ہے۔

ہمیں بھی اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے تمام وعدوں اور قول وقرار کی پابندی کرنی چاہیے تاکہ ہم بھی اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح صادق اور امین کہلا سکیں۔

مشق

1- ایفائے عہد سے کیا مراد ہے؟

2- '' لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَادَ '' کا ترجمہ لکھیں

3- '' وَاَوْفُوْا بِالْعَھْدِ ۚ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْـُٔوْلًا '' کا ترجمہ بیان کریں۔

4- عقد کے لفظی معنی کیا ہیں؟

5- حدیثِ مبارکہ میں دین داری کی علامت کِسے قرار دیا گیا ہے؟

4-اِستقامت

اِستقامت کے لفظی معنی ہیں سیدھا رہنا یا سیدھے چلتے رہنا۔قرآن وسنّت کے لحاظ سے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس بات کو حق مان لیا ہے اُس پر قائم رہیں، مشکلات پیش آئیں، مخالفتوں کا سامنا ہو، تکلیفیں دی جائیں، سب کچھ صبر سے برداشت کریں، لیکن حق سے منہ نہ موڑیں اور ثابت قدمی سے دین پر قائم رہیں۔

اِستقامت کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ ایک طرف ہماری آزمائش ہوجائے کہ ہم اپنے ایمان کے دعویٰ میں کتنے سچے ہیں۔ دوسرے اس کے ذریعے استقامت دکھانے والوں کے درجات بلند ہوں۔ تیسرے اسی کے ذریعے سے دین پھیل سکتا ہے۔

اجرِ عظیم

صبر و استقامت کے اجرِ عظیم کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ڈٹ گئے تو اُن پر فرشتے (یہ خوشخبری لے کر) نازل ہوتے ہیں کہ نہ تم خوف کھاؤ اور نہ غم کرو اور اس جنت کی نوید پر خوش ہوجاؤ جس کا تم سے وعدہ ہے۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے حامی و مددگار اور دوست ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور اس (جنت) میں تمھارے لیے وہ (سب کچھ) ہوگا۔ جو تمھارا جی چاہے گا۔ اور وہ سب کچھ ہوگا جو تم طلب کروگے۔ بطور میزبانی کے بہت بخشنے والے نہایت مہربان کی طرف سے۔'' (حٰم السجدہ:30 تا32)

رسول اللہ ﷺ کی استقامت

اسلام کی ان تعلیمات پر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عمل کیا وہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہاں چند واقعات دیے جاتے ہیں:

مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو جس جس طرح ستایا گیا آپ جانتے ہی ہیں۔ دھمکیاں، توہین و تمسخر، تکلیفیں، لالچ، قید و بند، غرض کوئی ظلم نہ چھوڑا۔ آپؐ کے چچا پر زبردست دباؤ ڈالا گیا۔ چچا نے آکر سمجھانے کی کوشش کی تو جو بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی، اس کی عظمت قیامت تک قائم رہے گی۔ فرمایا: ''اگر یہ کافر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں، تب بھی میں اس دینِ حق کی تبلیغ و دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔'' غزوۂ بدر میں تھوڑی سی نفری کے ساتھ ایک بڑی مسلح فوج کا مقابلہ کیا۔ غزوۂ احد میں انتہائی مشکل حالات میں زخموں کے باوجود ثابت قدمی

دکھائی۔غزوۂ احزاب میں لوگوں کا کلیجہ منہ کو آ گیا لیکن آپ ﷺ کے پائے مبارک میں کوئی لغزش نہ آئی۔صلح حدیبیہ کے موقع پر استقامت اور دور اندیشی کا بے مثال مظاہرہ کیا۔غزوۂ تبوک کے حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات میں بھی استقامت دکھائی۔منافقوں کی سازشیں، تہمتوں کے تیر اور الزام تراشیوں کے ہتھکنڈے، کوئی چیز بھی رسول اللہ ﷺ کو ذرہ بھر اپنے موقف سے نہ ہٹا سکی۔ رسول اللہ ﷺ ایک پہاڑ کی طرح مخالفتوں اور آزمائشوں کے طوفان کے مقابلے میں اپنی جگہ پر قائم رہے۔

صحابہ کرامؓ کی استقامت

صحابہ کرامؓ نے استقامت کے جو کارنامے سرانجام دیے وہ بھی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نے اپنی مصیبتوں کا حال بیان کر کے دعا کی درخواست کی ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگوں میں ایسا بھی ہوا کہ ایک آدمی کو زمین میں گاڑھ دیا گیا۔اسے آرے سے چیر کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا مگر وہ ثابت قدم رہا۔اور لوہے کی کنگھیوں سے کسی کا گوشت اچیل اچیل کر الگ کر دیا گیا لیکن پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ ہٹا اور پھر انہی حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے حتیٰ کہ ایک دن زمین پر کوئلے دہکا کر انھیں ان پر چت لٹا دیا گیا۔ایک شخص ان کی چھاتی پر پاؤں رکھے کھڑا رہا کہ کروٹ نہ بدل سکیں۔ یہاں تک کہ کوئلے آپ کے جسم کی چربی پگھلنے سے خود ہی ٹھنڈے پڑ گئے۔اور یہ نشان، عزیمت و استقامت کے تمغے کے طور پر، ساری عمر کے لیے آپ کے جسم پر ثبت ہو کر رہ گیا۔ایک صحابی حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ نیزوں کے کچوکے اور تلواروں کے گھاؤ لگا لگا کر اذیتیں دی گئیں۔کسی ستم ظریف نے پوچھا کیا خیال ہے خبیب! اب تو چاہتے ہو گے کاش میری جگہ محمدؐ ہوں اور میں اس عذاب سے بچ جاؤں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ مجھے سو دفعہ اس طرح اذیتیں دے دے کر مارا اور زندہ کیا جاتا رہے، مجھے منظور ہے لیکن یہ گوارا نہیں کہ میرے پیارے رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔اس شہیدِ راہِ وفا نے مرنے سے پہلے جو اشعار کہے، اُن میں سے ایک یہ ہے:

''جب میں ایمان کی حالت میں اپنی جان دے رہا ہوں تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں اللہ کی راہ میں زخم کھا کر گرتا ہوں تو میری دائیں کروٹ پہلے زمین پر لگتی ہے یا بائیں کروٹ۔''

سچے اور مخلص مسلمانوں کی استقامت اور ثابت قدمی کی یہی کیفیت ہونی چاہیے۔تاریخ اسلام کا دامن ایسی بے شمار مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ آیئے ہم عہد کریں کہ اللہ کی توحید، سرورِ عالم ﷺ کی رسالت، قرآن کے اللہ کی

کتاب ہونے اور روزِ آخرت کے برحق ہونے پر قائم رہیں گے۔ اس کے تمام تقاضے پورے کریں گے۔ نماز پابندی سے ادا کریں گے۔ اسلامی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ اور اس راہ میں جن تکالیف کا سامنا ہو صبر و استقامت سے جھیلیں گے۔

مشق

1- استقامت کا مفہوم تفصیل سے بیان کریں۔

2- قرآن کریم نے کن باتوں پر استقامت کا حکم دیا ہے؟

3- استقامت کا حکم کیوں دیا گیا؟ فوائد بیان کریں۔

4- استقامت کے اجرِ عظیم پر روشنی ڈالیں۔

5- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت کی مثالیں بیان کریں۔

6- صحابہ کرامؓ کی استقامت کی مثالیں بیان کریں۔

7- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) استقامت کے لفظی معنی ہیں................. چلتے رہنا۔

(ب) ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے حامی و مددگار اور دوست ہیں اور.................میں بھی۔

(ج) جنت میں تمھارے لیے وہ سب کچھ ہوگا، جو تمھارا جی.................گا۔

(د) حضرت ....کو جلتے کوئلوں پر لٹا دیا گیا اور اس وقت تک اُٹھنے نہ دیا گیا جب تک کوئلے ٹھنڈے نہ ہو گئے۔

(ہ) صحابہ کرامؓ نے اِستقامت کے.................سر انجام دیے۔

سرگرمی برائے طلبہ

صحابہ کرامؓ کی استقامت کے چند واقعات ایک چارٹ پر لکھیں اور کمرۂ جماعت میں لگائیں۔

5- حُسنِ معاشرت

انسان جس معاشرے میں رہتا ہے وہاں کے لوگوں سے اُس کا تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ اس تعلق کو اچھے طریقے سے انجام دینا حُسنِ معاشرت ہے۔ اس تعلق میں نہ صرف والدین، رشتہ دار اور دوست شامل ہیں بلکہ اس میں محلّہ، وطن، قوم کے لوگ، حتیٰ کہ حیوانات و نباتات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ حُسنِ معاشرت یہ ہے کہ اپنے پورے ماحول اور اس کے تمام افراد کے ساتھ اچھے تعلقات قائم کیے جائیں۔ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے۔ بڑوں کا ادب کیا جائے اور چھوٹوں پر شفقت کی جائے۔ ہر انسان کا احترام کیا جائے۔ ہر شخص کو اس کا حق دیا جائے اور ہر ایک کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے۔

حُسنِ معاشرت کی تاکید

حُسنِ معاشرت پر اللہ کے نبی ﷺ نے بہت زور دیا ہے۔ آپؐ نے شرافت اور عظمت کی بنیاد اچھے اخلاق اور نیک کردار کو قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے حُسنِ خلق کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپؐ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف:199)

ترجمہ: ''معاف کر دینے کی روش اختیار کرو، اور نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں (کی باتوں) کی طرف دھیان نہ دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے رب نے مجھے نو باتوں کا حکم دیا ہے: جو مجھ سے تعلق توڑنا چاہے اس کے ساتھ تعلق جوڑوں، جو مجھے محروم کرے اس کو عطا کروں اور جو مجھ پر زیادتی کرے، اسے معاف کر دوں............الخ۔ آپؐ نے سلام کو عام کرنے کی بھی تاکید فرمائی۔

حُسنِ معاشرت کے مختلف پہلو

حسنِ معاشرت کے سلسلے میں اسلام نے ہدایت فرمائی ہے کہ والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا احترام کیا جائے۔ دوستوں کے ساتھ محبت اور مروّت سے پیش آیا جائے۔ چھوٹوں پر شفقت کی جائے۔ قانون کا احترام کیا جائے۔ پڑوسی کا خیال رکھا جائے۔ مہمان کی مہمان نوازی کی جائے۔ مجلس کے آداب کا خیال رکھا جائے۔ خواتین کا احترام کریں۔ انھیں مدد کی ضرورت ہو تو اس سے گریز نہ کریں۔ اللہ کی مخلوق کو اذیت نہ دی جائے۔ اپنی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسروں کو محفوظ رکھا جائے۔ باحیا اور باوقار زندگی گزاری جائے۔

اسلام نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ اپنے تمام مسلمان بھائیوں کی امداد، خیر خواہی اور غم گساری کریں۔ تہواروں اور تقریبات، شادی بیاہ، وفات اور جنازے وغیرہ کے موقع پر دوسروں کے آرام کا خیال رکھیں۔ اور متعلقہ لوگوں کے ساتھ

تعاون کریں۔ کسی کا مذاق نہ اُڑائیں، چڑانے کے لیے نام نہ بگاڑیں۔ الزام تراشی اور طنز سے گریز کریں۔ کسی کی چیز کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اسلام نے ہمیں یہ بھی سکھایا کہ چھینک یا جمائی آئے تو بائیں ہاتھ کی پُشت منہ پر رکھ لیں۔ کوئی شخص آپ کے ساتھ بھلائی کرے یا کچھ دے تو اس کا شکریہ لازماً ادا کریں۔ کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر نہ لیں۔

حسنِ معاشرت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا بھی خیال رکھا جائے کیونکہ یہ ہماری آج کے دور کی معاشرتی ضروریات میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

ماحول کی آلودگی سے گریز

ماحول کو آلودگی سے بچایا جائے۔ گھر اور کمرے کو صاف رکھا جائے۔ گندی اور ناکارہ چیزیں باہر نہ پھینکی جائیں۔ اونچی آواز میں ریڈیو یا ٹی وی چلا کر اردگرد کے لوگوں کے آرام میں مخل نہ ہوں۔ گلیوں میں اور سڑکوں پر کھیل سے اجتناب کریں۔ اس سے راہ گیروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ گھروں کو نقصان پہنچتا ہے اور بعض اوقات کسی کو چوٹ بھی لگ سکتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے اردگرد کے ماحول کو خوبصورت بنائیں۔ درخت اور پودے لگائیں۔ جو پودے لگے ہوئے ہیں ان کی حفاظت اور آبیاری کا خیال رکھیں۔ غیر ملکیوں کا احترام کریں۔ ان کو کسی مدد یا رہنمائی کی ضرورت ہو تو فراہم کریں۔ بسوں، ویگنوں میں سفر کے وقت معذوروں، بیماروں، بزرگوں اور عورتوں کو بیٹھنے کی جگہ دیں۔ اگر آپ سڑک پر پیدل یا سوار ہو کر جا رہے ہوں تو ٹریفک کے قوانین اور اشاروں کا خیال رکھیں۔

اسوۂ رسولِ مقبول ﷺ

مکہ والوں نے ہمارے پیارے نبی ﷺ کو کتنا تنگ کیا۔ کتنی اذیتیں دیں۔ آپ ﷺ کو شہر بدر کیا مگر جب مکہ میں قحط پڑا اور ان کا نمائندہ مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے امداد کی درخواست کی تو آپؐ نے اشرفیاں دیں، ان کے لیے غلے کا انتظام کیا اور قحط سے نجات کی دعا فرمائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے لیکن آپؐ نے ایک دفعہ بھی ان سے کوئی تلخ بات نہ کی۔

اس سبق میں ہمارے لیے پیغام یہ ہے کہ ہم اپنے گھر، پڑوس، مسجد، محلے، سکول اور ماحول کو صاف ستھرا رکھیں اور اپنے تعلق داروں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔ ان کی خدمت کریں۔ معاشرے کے مفید، ہمدرد، قانون کا احترام کرنے والے، وقت کے پابند اور بزرگوں کا احترام کرنے والے شہری بن جائیں۔

مشق

-1 تفصیلی جواب دیں:

(الف) حسنِ معاشرت سے کیا مراد ہے؟ تفصیل سے بیان کریں۔

(ب) حسنِ معاشرت کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات بیان کریں۔

(ج) آج کے دور کے معاشرتی مسائل پر اسلامی تعلیمات سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے؟

-2 مختصر جواب دیں:

(الف) اسلام نے والدین اور اساتذہ سے کیسے پیش آنے کا حکم دیا ہے؟

(ب) حیا اور وقار کے حوالے سے کیسے زندگی گزاری جائے؟

(ج) ریڈیو اور ٹی وی کو کیسی آواز سے چلانا چاہیے؟

(د) حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کتنے سال رہے؟

(ہ) کیا اسلام دوسروں کے نام بگاڑنے اور چِڑانے سے منع کرتا ہے؟

-3 خالی جگہ پُر کریں:

(الف) معاف کر دینے کی روش.................کرو۔

(ب) جاہلوں کی باتوں کی طرف.................نہ دو۔

(ج) جو تمھارے ساتھ زیادتی کرے اُسے.................کر دو۔

(د) اگر کوئی آپ کو سلام کرے تو اس کا بہتر.................دو۔

(ہ) چھوٹوں پر.................کرو۔

سرگرمی برائے طلبہ:

ماحول کی آلودگی کے خاتمے پر کمرۂ جماعت میں ایک مذاکرہ کیجیے۔

6-اِخلاص وتقویٰ

اخلاص کا مفہوم

اِخلاص کے لیے ہم خلوص نیت کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں لیکن اس کے لفظی معنی ہیں خالص کرنا۔ خالص کا لفظ کسی ایسی چیز کے متعلق بولا جاتا ہے جو ملاوٹ سے پاک ہو۔ انسانی تعلقات میں اخلاص ایسی صفت کا نام ہے جس کے تحت اِنسان کوئی کام خالصتاً کسی ایک فرد یا کسی ایک مقصد کے لیے سرانجام دیتا ہے اور اس سے کوئی نمائش، کوئی ذاتی غرض یا کوئی ذاتی مفاد مقصود نہیں ہوتا۔ اسی طرح ''دین میں اخلاص'' کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایک آدمی جو کام کرے، وہ خالصتاً اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے کرے۔ اس سے کوئی ذاتی مفاد یا غرض وابستہ نہ ہو۔ جو آدمی اخلاص سے کام کرے اُسے مخلص کہتے ہیں۔

تقویٰ کا مفہوم

تقویٰ کے لفظی معنی ہیں ڈرنا، بچنا یا پرہیز گاری۔ شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل میں اس بات کا احساس اور خوف پیدا ہو جائے کہ اللہ میری ہر بات کو دیکھ رہا ہے جس کے مطابق حساب کتاب کے بعد مجھے انعام یا سزا دی جائے گی۔ اس خوف اور احساس کے تحت وہ نیکی و پرہیز گاری کی روش اختیار کرے اور اپنے آپ کو آخرت کے برے انجام سے بچالے جائے۔

اخلاص وتقویٰ کا مفہوم

جب اخلاص اور تقویٰ کو ملا کر بولا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ انسان نیکی اور پرہیز گاری بے لوث ہو کر اور اس غرض سے اختیار کرے کہ اللہ اس سے راضی ہو جائے، وہ برے انجام سے بچ جائے، اور یہ نیکی وہ کسی مفاد یا دکھاوے یا نیک نامی کے لیے نہ کر رہا ہو۔ مختصراً اسے ہم نیک نیتی بھی کہہ سکتے ہیں۔

تقویٰ کی حقیقت

تقویٰ ایک دِلی کیفیت ہے، ایک رویہ ہے اور ایک طرزِ حیات ہے۔ جب انسان میں یہ کیفیت یا رویہ پیدا ہو جائے تو وہ کسی کام میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''تقویٰ یہاں ہوتا ہے!'' ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المومنین! کبھی آپ کا کسی ایسے

راستے سے بھی گزرہوا جس میں ہر طرف خاردار جھاڑیاں ہوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں، جب میں اپنے باپ کے اونٹ چرایا کرتا تھا تو اکثر ایسے راستوں سے گزرا کرتا تھا۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا آپ وہ راستہ کس طرح طے کرتے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے کپڑے سمیٹ لیتا تھا۔ ایک طرف اپنا دامن کانٹوں سے بچانے کی کوشش کرتا اور دوسری طرف کانٹوں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا۔ اور بہت احتیاط سے، پھونک پھونک کر، قدم رکھتا۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ''یہی تقویٰ ہے۔'' قرآن کریم نے انسان کے تمام اعمال وعبادات کا مقصد اسی تقویٰ کو قرار دیا کیونکہ جب انسان کے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے تو اس کے لیے برائی سے بچنا اور بھلائی اختیار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

تقویٰ معیارِ فضیلت

اسلام نے انسانی فضیلت کا معیار تقویٰ کو قرار دیا (اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ) (الحجرات:13) اور فرمایا تقویٰ کو اپنی پوری ہمت واستطاعت سے اختیار کرو۔ (فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) (التغابن:16) اور پھر یہاں تک فرمادیا کہ زندگی کے آخری سانس تک تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور تقویٰ کو اس طرح اختیار کرو جس طرح اس کے اختیار کرنے کا حق ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ (آل عمران:102)

ترجمہ:۔ مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

ان آیات سے تقویٰ کی اہمیت بخوبی ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

اخلاص وتقویٰ

اخلاص وتقویٰ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے یعنی اعمال کی جزا وسزا اور ان کی قدر وقیمت کا تعین ان کی ظاہری صورت پر نہیں ہوگا بلکہ اس نیت کی بنا پر کیا جائے گا جس کے تحت یہ کام کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا اللہ تعالیٰ تمھارے جسموں، تمھاری شکلوں اور تمھارے اعمال (کی ظاہری صورت) کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں کو دیکھے گا (کہ یہ عمل تم نے کس نیت سے کیا تھا)۔ یہ بھی فرمایا کہ جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی، روزہ رکھا یا خیرات کی اس نے شرک کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرک خفی کو دجال کے فتنے سے بھی زیادہ خوفناک قرار دیا۔ مثلاً ایک شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے جیسے ہی اسے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کی نظر اس پر پڑی ہے تو وہ نماز کو لمبا کر دیتا ہے۔

بلندیٔ اخلاق

اخلاص وتقویٰ اخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے۔ اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم کسی کے ساتھ اچھا سلوک کریں یا کوئی نیک کام کریں تو وہ صرف اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق اور پروردگار ہم سے راضی ہو۔ وہ ہم پر رحمت فرمائے اور اپنی ناراضگی اور غضب سے ہمیں محفوظ رکھے۔

مشق

1- تفصیلی جواب دیں:

(ا) اخلاص کے لفظی معنی، انسانی تعلقات اور دین کے لحاظ سے اس کا مطلب بیان کریں۔

(ب) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کی وضاحت کس طرح کی؟

(ج) تقویٰ کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات بیان کریں۔

(د) اخلاص کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بیان کرکے ان کا مطلب واضح کریں۔

2- مختصر جواب دیں:

(ا) کِس عمل کو دجال سے بھی زیادہ خوفناک قرار دیا گیا ہے؟

(ب) دِکھاوے کی نماز کو کیا کہا گیا ہے؟

(ج) ریا کاری سے کیا مُراد ہے؟

(د) اخلاص وتقویٰ سے کیا مُراد ہے؟

(ہ) قرآن نے تمام اعمال وعبادات کا مقصد کسے قرار دیا ہے؟

3- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں اچھی طرح................. ہے۔

(ب) اعمال کا دارومدار................. پر ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ نے انسانی فضیلت کا معیار.................کو قرار دیا۔

(د) زندگی کے آخری سانس تک.................کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

(ہ) اخلاص وتقویٰ اخلاقی بلندی کا آخری................. ہے۔

سرگرمی برائے طلبہ: تقویٰ کے بارے میں حضرت عمر اور حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مکالمہ ہوا اُسے دہرائیں۔

7-عدل و احسان

عدل کا مفہوم

عربی زبان میں عدل اسے کہتے ہیں کہ کسی بوجھ کو دو برابر حصوں میں اس طرح بانٹ دیا جائے کہ ان دونوں میں ذرا بھی کمی بیشی نہ ہو۔ عدل سے مراد یہ ہے کہ جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے۔ اسی طرح ہر کام مناسب وقت پر کرنا بھی عدل کی ایک صورت ہے اور ہر چیز کو موزوں مقام پر رکھنا بھی عدل کہلاتا ہے۔ عدل کی ضد ظلم ہے جس کے معنی ہیں کسی شخص کی حق تلفی کرنا یا اس کے ساتھ زیادتی کرنا، اس کی برائی کے مقابلے میں زیادہ برائی کرنا یا کسی کام کو غیر مناسب وقت پر کرنا یا کسی چیز کو غیر موزوں مقام پر رکھنا۔

احسان کا مفہوم

احسان یہ ہے کہ کسی کے ساتھ برائی کے بدلے برائی نہ کی جائے بلکہ اس کی برائی معاف کر دی جائے اور اس سے درگزر کیا جائے۔ احسان یہ بھی ہے کہ نیکی میں پہل کی جائے۔ نیکی کے بدلے میں زیادہ نیکی اور برائی کے بدلے میں بھی بھلائی کی جائے۔ احسان یہ بھی ہے کہ کسی کام کو خوبصورت اور بہتر طریقے سے کیا جائے۔ ہر کام میں حسن اور خوبصورتی پیدا کرنا احسان ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى (المائدہ:8) ترجمہ: ''عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''

اور ارشادِ ربانی ہے: وَاَحۡسِنُوۡا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ (البقرۃ:195)

ترجمہ: ''(لوگوں کے ساتھ) احسان کرو اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

ایک اور آیت میں ہے: وَاَحۡسِنۡ كَمَاۤ اَحۡسَنَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ (القصص:77)

ترجمہ: ''احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ احسان کیا ہے اس لیے اس کو بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ احسان کرنا چاہیے۔

عدل و احسان

عدل و احسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآئِ ذِى الۡقُرۡبٰى (النحل:90)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان اور رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

عدل یہ ہے کہ حقدار کو اس کا حق دیا جائے، نیکی کے کام کرنے والے کو اس کی نیکی کے برابر انعام دیا جائے اور بدی کرنے والے کو اس کی بدی کے برابر سزا دی جائے۔

اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی عدل واحسان کا نمونہ تھی۔ آپؐ نے کبھی کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ صحابہؓ کو فرمایا ''آپس میں ایک دوسرے کی کوتاہیوں کو معاف کردیا کرو۔'' آپؐ نے ہمیشہ اپنے دشمنوں کو معاف کیا اوران کے لیے بھلائی کی دعامانگی۔ ہمیں بھی عدل واحسان کو اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ معاشرے کے امن وترقی کا دارومدار عدل واحسان پر ہے۔

عدل واحسان کی مختلف صورتیں

عدل واحسان کی بہتر شکل تو یہ ہے کہ آپ حسن سلوک سے کام لیں۔ کوئی آپ کے ساتھ زیادتی بھی کرے تو اسے معاف کردیں۔ کوئی آپ کے ساتھ بھلائی کرے تو اس کے ساتھ اس سے بہتر بھلائی کریں۔ اوراگر یہ نہ کرسکیں تو پھر کم از کم انصاف اور عدل سے کسی صورت بھی انحراف نہ کریں۔ اورکسی کے ساتھ زیادتی ہرگز نہ کریں لیکن جہاں معاملہ کسی ایسی زیادتی کا ہو جسے معاف کرنے سے ظالم کی حوصلہ افزائی ہو، وہاں فرد کو احسان کرنے کے بجائے معاملہ عدالت کے سپرد کردینا چاہیے تاکہ دوسرے لوگ اس زیادتی سے محفوظ رہیں۔ اور برائی کو کھلی چھٹی نہ مل جائے۔ یہی بات ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصل اور بنیادی اہمیت عدل کو حاصل ہے۔ یہ اللہ کی صفت ہے۔ اسی پر نظامِ کائنات کی بنیاد ہے اور اسی کے ذریعے انسانی معاشرہ قائم رہ سکتا ہے۔

مشق

1- عربی میں عدل کے کیا معنی ہیں؟ شریعت میں عدل سے کیا مراد ہے؟

2- عدل کے متعلق اسلامی احکام بیان کریں۔

3- احسان کا مفہوم اور اِس کے متعلق اسلامی تعلیمات کی وضاحت کریں۔ اس سلسلے میں کیا احتیاط ضروری ہے؟

4- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) عدل سے مراد ہے کہ کسی..................کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیا جائے۔

(ب) ہر کام مناسب وقت پر کرنا بھی..................ہی کی ایک صورت ہے۔

(ج) کسی چیز کو..................مقام پر رکھنا بھی عدل ہے۔

(د) کسی شخص کے ساتھ زیادتی کرنا..................کہلاتا ہے۔

(ہ) کسی کام میں.................. پیدا کرنا احسان ہے۔

سرگرمی برائے طلبہ: عدل کے بارے میں قرآنی آیات خوشخط لکھ کر نمایاں جگہ پر لگائیں۔

8-اندازِ تربیت وتبلیغ

تبلیغ کے لفظی معنی ہیں پہنچا دینا اور تبلیغِ اسلام یہ ہے کہ اللہ کا دین لوگوں تک پہنچا دیا جائے۔ ہم اپنی زبان میں قریباً اسی مقصد کے لیے ایک لفظ استعمال کرتے ہیں ''نصیحت'' یہ بھی تبلیغ کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ نصیحت کے لفظی معنی ہیں خیر خواہی یعنی دوسروں کی بھلائی چاہنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا '' اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ '' یعنی دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔ اس خیر خواہی کا دائرہ ہر شخص تک پھیلا ہوا ہے اور اس کا فیضان پوری انسانیت کو ملنا چاہیے۔ خیر خواہی کی انتہا یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے خود تکلیفیں اُٹھا کر اور اذیتیں جھیل کر لوگوں کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچانے کی پوری کوشش فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے۔ اللہ نے تمھیں اس میں گر کر ہلاک ہونے سے بچا لیا۔

رسولِ کریم ﷺ بحیثیت معلّم

رسول اللہ ﷺ نے دین کی تعلیم وتبلیغ بھی فرمائی اور اس کے مطابق امت کی تربیتِ اخلاق بھی فرما دی۔ آپؐ نے جہاں ایک طرف یہ فرمایا کہ میں دین کا معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں '' اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً '' وہیں یہ بھی فرمایا کہ '' بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق '' یعنی ''میں اس لیے مبعوث کیا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کو نقطۂ کمال تک پہنچا دوں۔'' آیئے دیکھیں رسول اللہ ﷺ نے یہ فریضہ کس خوبصورت انداز میں سرانجام دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا حکیمانہ اندازِ تبلیغ

رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ اردگرد صحابہؓ کی محفل جمی ہے۔ حاضرین کو پوری طرح متوجہ دیکھ کر محسنِ انسانیت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''لوگو تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر سے ایک نہر گزر رہی ہو، جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کوئی میل کچیل باقی رہ جائے گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا ''اس کے جسم پر تو کوئی میل کچیل باقی نہ رہے گا۔'' فرمایا ''بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔''

کون ہوگا جو اس حکیمانہ اندازِ تربیت وتبلیغ سے متاثر ہوئے بغیر رہا ہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سردیوں کے موسم میں ایک دن کہیں باہر تشریف لے جا رہے تھے۔ موسمِ خزاں کی وجہ سے درختوں کے پتے ٹہنیوں سے خود بخود جھڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ

نے ایک درخت کی دوشاخیں پکڑ لیں اور انھیں ہلایا تو پتے تیزی سے جھڑنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ''ابوذر'' میں نے کہا ''حاضر ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''جب ایک مسلمان خالص اللہ کی رضا کے لیے نماز ادا کرتا ہے، تو اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے جھڑ رہے ہیں۔''

کیسا دل نشین اور پُر تاثیر ہے یہ انداز تبلیغ و تربیت! جب یہ پتا ہو کہ کہنے والے نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو کوئی بدنصیب ہی ہوگا جو اس تبلیغ کو قبول نہ کرے گا۔ بات صرف اخلاقی وعظ و نصیحت ہی تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ ایک ٹھوس اور چلتی پھرتی حقیقت کی طرح آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ محسنِ انسانیت ﷺ اسی طرح کی مثالیں دے کر دین کی باتیں سمجھایا کرتے تھے۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ اسلام ہی سلامتی والا سیدھا راستہ ہے۔ اس مفہوم کو ذہن نشین کرانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی جو ایک خاص منزل کی طرف سیدھی جا رہی ہے اور اپنا راستہ بڑی آسانی اور کامیابی سے طے کر رہی ہے۔ اس سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ نے کچھ آڑی ترچھی لکیریں کھینچیں اور دکھایا کہ ان کے ذریعے انسان کو منزل مقصود حاصل نہیں ہو سکتی۔ سلامتی کا راستہ صرف درمیان والا سیدھا راستہ (صراط مستقیم) ہی ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مثالی خاکے کے ذریعے زندگی کی بہت بڑی سچائی واضح فرمادی۔

رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ بلند فرمایا۔ مٹھی بند کی اور ساتھ ساتھ والی دو انگلیاں اٹھائیں۔ ذہن نشین یہ کرانا تھا کہ یتیم کی سرپرستی اور امداد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ فرمایا ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح قریب قریب ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ایک دوسری سے قریب ہیں، کون مسلمان ہوگا جو یہ آرزو نہ کرے کہ اسے جنت بھی مل جائے اور جگہ بھی رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں نصیب ہو جائے!

رسول اللہ ﷺ کو کسی بات پر زور دینا ہوتا تو ایک جملے کو بار بار دہراتے تھے۔ بات کی مناسبت سے آواز اور لہجے میں تیزی یا نرمی اختیار فرماتے۔ لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے کبھی کوئی سوال کرتے اور کبھی کسی سوال کو بار بار دہراتے۔ بات لمبی نہ کرتے۔ تھوڑے سے وقت اور مختصر لفظوں میں پورا مفہوم ادا کر دیتے۔ گفتگو میں الفاظ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کر لیتا۔ الفاظ نہ ضرورت سے کم ہوتے نہ زیادہ۔ کسی کا نام لے کر یا اسے براہِ راست مخاطب کر کے تنقید نہ فرماتے۔ کسی شخص کو سمجھانا ہوتا تو بالعموم نام لیے بغیر سب کو مخاطب کر کے وہ بات بیان کر دیتے تاکہ کسی کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ گفتگو میں عام طور پر ایک مسکراہٹ شامل رہتی۔ کسی بات پر زور دینا ہوتا تو ٹیک چھوڑ کر سیدھے ہو بیٹھتے۔ بات بات سے محبت کا رس اور خلوص و خیر خواہی کا سچا جذبہ ٹپکتا تھا۔ کوئی بات غیر معقول اور دلیل سے خالی نہ ہوتی۔

حکمتِ تبلیغ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس انداز سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایک مبلّغ و مربی کے اپنے سیرت و اخلاق میں ایسا حُسن ہو کہ ملنے جلنے والوں کے دل اس کے لیے احترام و محبت کے جذبات سے لبریز ہوں۔ اور وہ اس کی بات پوری توجہ سے سننے کے لیے بے تاب ہوں گفتگو ایسے وقت میں کی جائے جب لوگ اسے سننے کے لیے آمادہ ہوں۔ اگر لوگ متوجہ نہ ہوں تو مناسب وقت کا انتظار کیا جائے اور پھر کوئی دل چسپ اور اہم سوال کر کے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی جائے تا کہ سب لوگ آپ کی بات سننے کے لیے پوری طرح متوجہ ہو جائیں۔ گفتگو سادہ اور آسان الفاظ میں کی جائے۔ جو مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق ہو اور وہ اُسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکے۔ اور پھر انداز بیان ایسا دل چسپ و شیریں ہو کہ بات خود بخود لوگوں کے دلوں میں اترتی چلی جائے۔ اپنا مدعا ایسی مثالوں کے ساتھ بیان کیا جائے جن سے بات ذہن نشین ہونے میں بھی مدد ملے اور اس میں تاثیر بھی پیدا ہو جائے۔ جو کچھ کہا جائے وہ بالکل صحیح اور حقیقت کے عین مطابق ہو اور مخاطب محسوس کرے کہ اس پر عمل کرنے میں خود اسی کا فائدہ ہے۔ اور آخری بات یہ کہ کلام میں اختصار ہو۔ بات اتنی لمبی نہ ہو جائے کہ سننے والے اکتا جائیں اور توجہ قائم نہ رہ سکے۔

یہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندازِ تبلیغ کا کمال ہی تھا جس نے چند سال میں عرب کی پوری سرزمین کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور سے منور کر دیا۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اندازِ تبلیغ و تربیت ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ایک طرف انسانیت کی ہمدردی و غمگساری کے جذبات سے لبریز ہو کر اسے دوزخ کا ایندھن بننے سے بچانے کے لیے ہمارے دل بے تاب ہوں، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے روشنی حاصل کر کے انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے پوری دردمندی اور خلوص کے ساتھ تبلیغ و تربیت میں لگ جائیں۔

مشق

1- دروازے پر نہر کی مثال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پنج وقتہ نماز کی اہمیت کیسے واضح فرمائی؟

2- دروازے اور نہر والی اس مثال میں ہمارے لیے کیا سبق ہیں؟

3- آپؐ نے ایک خزاں رسیدہ درخت کی مثال سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو کیا بات ذہن نشین کرائی؟

4- یتیم کی کفالت اور صراطِ مستقیم کی مثالیں بیان کریں۔

5- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندازِ تربیت و تبلیغ کے نمایاں خدوخال بیان کریں۔

6- خالی جگہیں پُر کریں:

(ا) تبلیغ کے معنی ہیں................... دینا۔

(ب) دین نام ہی................... کا ہے۔

(ج) میں معلم بنا کر................... گیا ہوں۔

(د) بات اتنی................... نہ ہو جائے کہ سننے والے اکتا جائیں۔

(ہ) میں اور................... کی کفالت کرنے والا جنت میں قریب قریب ہوں گے۔

7- مختصر جواب دیں۔

(ا) نصیحت کا مفہوم بیان کریں۔

(ب) مکارمِ اخلاق کے حوالے سے بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کس لیے مبعوث فرمایا گیا ہے؟

(ج) صراطِ مستقیم سمجھانے کے لیے آپؐ نے کیا انداز اختیار فرمایا؟

(د) یتیم کی کفالت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا؟

(ہ) کسی کا نام لیے بغیر سمجھانے کا مقصد بیان کریں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندازِ تبلیغ کے بارے میں طلبہ ایک مذاکرہ کا اہتمام کریں اور اُس میں اپنا نقطۂ نظر بیان کریں۔

9- فکرِ آخرت

قرآن کریم میں آخرت کی نعمتیں اور اس کی ہولناکیاں بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ سورۃ المزمل میں ہے۔ ''ہمارے پاس (ان کے جکڑنے کے لیے) بیڑیاں ہیں اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ اور گلے کو پکڑ لینے والا کھانا ہے۔ اور درد دینے والا عذاب ہے۔ اس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے۔ اور پہاڑ (ریزہ ریزہ ہوکر) ریگ رواں (چلتے ہوئے ریت کے ٹیلے) کی شکل اختیار کر لیں گے......تو اگر تم نے کفر کی روش اختیار کی تو اپنے آپ کو اُس دِن (کے عذاب اور سختیوں سے) کیسے بچا سکو گے، جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔''

سورۃ القارعہ میں ہے:

''اس روز لوگ یوں ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے، جیسے دھنکی ہوئی رنگ برنگ کی اون۔ پھر جس کے (نیک اعمال) کے وزن بھاری ہوئے، وہ دل پسند عیش میں ہوگا۔ اور جس کے وزن ہلکے ہوں گے، اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے۔ اور تم کیا جانو کہ ہاویہ کیا ہے! (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی قرآن کی ان تعلیمات کی توضیح فرمائی ہے مثلاً حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور قبر کی آزمائش کا ذکر فرمایا۔ سب مسلمان اسے سن کر اس قدر روئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ''اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچانے کی خاص طور پر کوشش کرو جنھیں حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے متعلق بھی باز پُرس ہونے والی ہے۔''

قرآن و حدیث میں آخرت کے حالات بڑی تفصیل سے جگہ جگہ بیان کیے گئے ہیں۔ یہ دراصل ہم پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں قبل از وقت آخرت کی جزا و سزا سے آگاہ فرما دیا ہے۔ تاکہ ہم ابھی سے اپنی اصلاح کر لیں اور ایسے کام کریں جو ہمیں اللہ کی ناراضی اور جہنم کے عذاب سے بچا کر رضائے الٰہی اور جنت الفردوس کا حق دار بنا دیں۔ قیامت کے دن سب سے پہلے انسان سے نماز کے متعلق حساب کتاب لیا جائے گا۔ اس لیے فکرِ آخرت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم روزانہ پنج وقتہ نماز میں کوتاہی نہ کریں، اعمال صالحہ کو اپنائیں اور ہر اس کام سے اجتناب کریں جو آخرت میں ہماری بربادی اور رسوائی کا باعث ہو۔

آخرت کی تیاری

آخرت میں ہمیں اپنی پوری زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اس لیے ہمیں آج ہی اس کے لیے تیاری کر لینی چاہیے۔ فرمانِ الٰہی ہے ''جو اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ اس روز تمام نعمتوں کے متعلق تم سے سوال کیا جائے گا۔ مال کیسے کمایا؟ کہاں خرچ کیا؟ زندگی کیسے گزاری؟ جوانی کس حال میں

10-اندازِ گفتگو

انسانوں اور جانوروں کے مابین ایک بنیادی فرق زبان کا بھی ہے۔تمام مخلوقات میں سے انسان اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ اسے کلام کی بہترین صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔تاہم محض کلام پر قادر ہو جانا ہی کافی نہیں ہے۔کلام یا گفتگو میں انداز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔بعض اوقات ایک عام سی بات شیریں انداز کی وجہ سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوتی ہے۔دانشمندانہ بات بھی اگر بُرے انداز میں کی جائے تو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔لہٰذا گفتگو کے اجزا کی طرح گفتگو کا انداز بھی نہایت اہمیت رکھتا ہے۔

قرآنی تعلیمات

سورۃ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی بعض نصیحتوں کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

ان نصیحتوں میں سے ایک یہ تھی: وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ (لقمان:19)

ترجمہ: ''اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیوں کہ (اونچی آواز گدھوں کی سی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب سے بُری آواز گدھوں کی ہے۔''

اس قرآنی آیت میں بظاہر اونچی آواز کو ناپسند کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ آدمی ہمیشہ آہستہ بولے اور کبھی اونچی آواز میں بات نہ کرے۔ بلکہ گدھے کی آواز سے تشبیہ دے کر یہ واضح کیا گیا ہے کہ ناپسندیدہ آواز کیسی ہوتی ہے۔بعض اوقات اونچی آواز میں بولنا ضرورت کا تقاضا ہوتا ہے۔ایسی صورت میں اونچی آواز میں بولنے میں کوئی حرج نہیں۔اونچی آواز میں کلام کرنا اس صورت میں ناپسندیدہ ہے جبکہ اس کا مقصد کسی پر رعب جمانا اور اپنی برتری ظاہر کرنا ہو اور ایسی صورت میں بلند آواز میں بولنے کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے اور اسے بدترین آواز قرار دیا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اندازِ گفتگو

اندازِ گفتگو کے بارے میں بہترین رہنمائی ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی سے ملتی ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم لوگوں کے کلام کی طرح بغیر توقف کے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ آپؐ یوں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ آپؐ کے پاس بیٹھا شخص اسے یاد کر لیتا۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اندازِ گفتگو کے بارے میں فرماتے ہیں ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بات سمجھانے کے لیے اسے تین مرتبہ دہراتے تھے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ انداز گفتگو میں ٹھہراؤ شائستگی کی علامت ہے۔ بلا وجہ تیز تیز بولنا وقار کے منافی ہے۔ اسی طرح بلاضرورت اونچی آواز میں بات کرنا بھی تہذیب کے برعکس ہے۔اگر گفتگو میں کوئی اہم بات بیان کی جا

رہی ہو تو اسے دہرا دینا بہتر ہے تا کہ سننے والا اچھی طرح بات سمجھ جائے۔ گفتگو کا مقصد اپنا مدعا دوسروں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ لہٰذا گفتگو میں اس بات کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ انداز سامع کی فہم و استعداد سے مطابقت رکھتا ہو۔ مثلاً ایسے الفاظ کا استعمال نہ کیا جائے جو سامع کے لیے اجنبی ہوں۔

اندازِ گفتگو اور انسانی شخصیت

اندازِ گفتگو کسی بھی انسان کی شخصیت کو جانچنے کا ایک بہترین پیمانہ ہے۔ کسی شخص کی گفتگو سے سننے والے پر جو تاثر قائم ہوتا ہے وہ اس کی شکل و صورت اور ظاہری حالت سے کہیں زیادہ اہم اور دیر پا ہوتا ہے۔ ایک بدصورت آدمی بھی محض اپنے شیریں کلام کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں جگہ بنا سکتا ہے۔ اسی طرح ایک انتہائی خوبصورت شخص اگر انداز گفتگو میں جاہلانہ طور طریقہ اپنائے تو لوگ اس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ گفتگو سوچ کا عکس ہوتی ہے اور سوچ عمل کی بنیاد بنتی ہے۔ اس لیے گفتگو کی مدد سے کسی انسان کے باطن کو جانا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ اپنی گفتگو میں الفاظ کا چناؤ سوچ سمجھ کر کریں۔ اسی طرح الفاظ کی ادائیگی میں ٹھہراؤ اختیار کریں۔ بات چیت میں بناوٹ سے کام نہ لیں۔ درشت لہجہ اپنانے سے حتی الامکان گریز کریں۔

مشق

-1 مندرجہ ذیل سوالات کے جامع جواب دیجیے:

(ا) اندازِ گفتگو کے بارے میں ہمارے دین میں کیا رہنمائی ملتی ہے؟

(ب) انسانی شخصیت پر اندازِ گفتگو کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

-2 مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

(ا) سورۃ لقمان میں آواز کے حوالے سے کیا نصیحت کی گئی ہے؟

(ب) رسول اللہ ﷺ کس طرح گفتگو فرمایا کرتے تھے؟

(ج) گفتگو میں انداز کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

-3 مناسب الفاظ کے ساتھ خالی جگہیں پُر کیجیے:

(ا) انسانوں اور جانوروں کے مابین ایک بنیادی فرق............ کا بھی ہے۔

(ب) موقع محل کی مناسبت سے............میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

(ج) رسول اللہ ﷺ بات سمجھانے کے لیے............مرتبہ دہراتے تھے۔

(د) بلاوجہ .... بولنا وقار کے منافی ہے۔

4- مندرجہ ذیل جملوں میں سے صحیح کے سامنے (صحیح) اور غلط کے سامنے (غلط) لکھیے:

(ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بغیر توقف کے گفتگو نہیں فرماتے تھے۔

(ب) اُونچی آواز میں بات کرنا تہذیب کے برعکس نہیں ہے۔

(ج) سب سے بُری آواز مُرغ کی ہے۔

(د) گفتگو سوچ کا عکس ہوتی ہے۔

(ہ) سورۃ لقمان میں حضرت آدم علیہ السلام کی نصیحتوں کا ذکر ہے۔

5- دیے گئے جوابات میں سے صحیح کا انتخاب کیجئے:

(1) بدترین آواز ہے:

(ا) اونچی آواز (ب) مرغ کی آواز (ج) کتے کی آواز (د) گدھے کی آواز

(2) کلام کا مقصد ہے:

(ا) مدعا بیان کرنا (ب) دوسروں پر برتری جتانا (ج) وقت گزارنا (د) جذبات کا اظہار

(3) سورۃ لقمان میں ہے کہ آواز:

(ا) نیچی رکھنا (ب) تیز رکھنا (ج) اونچی رکھنا (د) سخت رکھنا

(4) گفتگو میں الفاظ کا چُناؤ کریں:

(ا) سوچ سمجھ کر (ب) تیزی سے (ج) آسانی سے (د) ہنس کر

(5) اندازِ گفتگو میں ٹھہراؤ علامت ہے:

(ا) عقل مندی کی (ب) دولت مندی کی (ج) شائستگی کی (د) غربت کی

سرگرمی برائے طلبہ

طلبہ اندازِ گفتگو کے اسلامی اصولوں کی باہم مشق کریں۔

11- گھریلو زندگی

گھریلو زندگی کی اہمیت کے پیشِ نظر اسلام میں اس زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق واضح ہدایات دی گئیں ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوۂ حسنہ بھی اس حوالے سے ہمارے سامنے موجود ہے۔اسلام میں گھریلو زندگی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ اس کے قوانین کا شریعت میں الگ بیان ملتا ہے۔کسی بھی معاملہ کو مبہم اور غیر واضح نہیں چھوڑا گیا۔مثلاً نکاح، میاں بیوی کے حقوق وفرائض، والدین اور اولاد کے حقوق وفرائض سب کے بارے میں واضح ہدایات دی گئیں ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی گھریلو زندگی

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے زندگی کے باقی شعبوں کی طرح گھریلو معاملات میں بھی ہمارے لیے ایک فقید المثال نمونہ پیش کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک بہترین شوہر اور مثالی باپ تھے۔گھر والوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ'' ترجمہ''تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے اچھا ہو اور میں تم سب میں سے اپنے اہل وعیال کے لیے اچھا ہوں۔''

ایک ادارے کے صحیح طور پر کام کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کا کوئی متعین سربراہ ہو۔جس طرح ایک ادارہ سربراہ کے تعین کے بغیر منظم طریقہ سے نہیں چل سکتا اسی طرح ایک گھر کا نظام بھی اس وقت تک بے قاعدگی کا شکار رہتا ہے جب تک گھر کے تمام افراد میں سے کسی ایک فرد کو سربراہ کا مقام نہ دے دیا جائے اگر ایسا نہ کیا جائے تو تمام گھریلو معاملات بگاڑ کا شکار رہیں گے۔اسلام نے قوامیت اور سربراہی کا یہ مقام شوہر کو عطا کیا ہے۔قرآن مجید کا یہ فرمان بالکل واضح ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ (النسآء:34)

ترجمہ: ''مرد عورتوں پر قوام ہیں اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔''

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے:''قوام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی حفاظت ونگہبانی کرنے اور اس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قوامیت درحقیقت ایک ذمہ داری ہے جو مرد کو سونپی گئی ہے۔بیوی کے لیے یہ لازم ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ ہر معروف معاملہ میں اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔شوہر کو بھی تلقین کی گئی ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ نرمی اور شفقت پر مبنی برتاؤ کرے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک عام انسان نہیں تھے بلکہ اللہ کے رسول کی حیثیت سے کہیں زیادہ عزت واطاعت کے حقدار تھے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی اپنی ازواج کے ساتھ تحکمانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ہمیشہ ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتے غم یا بیماری کی صورت میں ان کی دلجوئی فرماتے۔

اگرچہ مرد کو گھر میں حاکمیت دی گئی ہے لیکن اس سربراہی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بیوی اس کی ملازمہ ہے اور ہر قسم کا گھریلو کام کرنا محض اس کی ذمہ داری ہے۔ بہترین شوہر وہ ہے جو گھریلو کاموں میں بھی اپنی بیوی کے ساتھ تعاون کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کیا کرتے تھے۔ آپؓ نے فرمایا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کے کام کاج میں مصروف رہتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے'' اس سے معلوم ہوا کہ گھر کا کام کرنا کسی مرد کے لیے باعث عار نہیں کیونکہ یہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے جس پر عمل کرنا باعث ثواب ہے۔

سربراہ خاندان کی حیثیت سے گھر کے افراد کا مالی بوجھ اٹھانا مرد کی ذمہ داری ہے۔ گھر والوں پر خرچ کرنے سے محض وہ ایک فرض ہی ادا نہیں کرتا بلکہ آخرت کے لیے اجر و ثواب بھی اکٹھا کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''اگر ایک دینار تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا، ایک غلام کو آزاد کرانے میں خرچ کیا، ایک مسکین پر صدقہ کیا اور ایک اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا تو اجر کے لحاظ سے وہ دینار سب سے افضل ہے جو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔''

اسلام نے والدین اور اولاد کے باہمی حقوق کی نشاندہی بھی کی ہے۔ اولاد کا والدین پر یہ حق ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھیں، اسے اچھے آداب سکھائیں، اس کی تعلیم کا اہتمام کریں اور اولاد کے ساتھ نفرت وحقارت کی بجائے شفقت ومحبت سے پیش آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا

ترجمہ: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے''۔

والدین کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایک اولاد کو زیادہ مال یا تحائف سے نوازیں جبکہ دوسری اولاد کو اس سے محروم رکھیں۔ اسی طرح اولاد کو وراثت میں بھی اس کے شرعی حصہ سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک پر والدین کو اجرِ عظیم کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ آپؐ نے بیٹیوں کے ساتھ نیکی کرنے والے باپ کو یہ بشارت دی کہ جو شخص دو بیٹیوں کو پال کر جوان کردے، جنت میں مَیں اور وہ اس طرح ساتھ ساتھ ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔ اولاد کا فرض ہے کہ وہ والدین کے ساتھ ہر حال میں حسنِ سلوک سے پیش آئے اور ہر جائز کام میں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ
اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ (بنی اسرائیل: 23)

ترجمہ: ''اور آپؐ کے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔''

والدین انسان کو اس وقت تحفظِ زندگی فراہم کرتے ہیں جب وہ بولنے اور حرکت کرنے پر بھی قادر نہیں ہوتا۔ والدین کے اسی احسان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حق کے ساتھ والدین کے حق کی ادائیگی کا حکم دیا۔ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب بیٹا اپنے ماں باپ کو محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر مرتبہ دیکھنے کے بدلہ میں ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔''

والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں جب ضعیف ہو جائیں تو ان کی خدمت کرنا بھی اولاد کا فرض ہے جو اولاد بوڑھے والدین کی خدمت سے غافل رہتی ہے وہ خود کو اجرِ عظیم سے محروم کر لیتی ہے۔

گھریلو زندگی کے آداب:

گھریلو زندگی میں حقوق و فرائض کا تعین کرنے کے ساتھ ساتھ اس زندگی کے آداب بھی اسلام میں سکھائے گئے ہیں۔ ان آداب میں سے سب سے اہم اصول استیذان ہے۔ استیذان کا مفہوم ہے اجازت طلب کرنا۔ ایک گھر میں رہنے والے افراد آپس میں انتہائی قریبی تعلق میں جڑے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اسلام گھر کے مردوں کو بھی یہ تلقین کرتا ہے کہ جب وہ گھر میں داخل ہوں تو اجازت لے کر داخل ہوں۔ خاموشی کے ساتھ اچانک گھر میں داخل نہ ہوں۔ سورۃ النور میں استیذان کے حوالے سے احکامات بیان کئے گئے ہیں۔ گھر کے بچوں کو بھی اس بات کا عادی بنایا جائے کہ وہ اجازت لیے بغیر بڑوں کے کمروں میں داخل نہ ہوں۔ نجی زندگی میں بھی وقار برقرار رکھا جائے۔

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے جامع جواب دیجیے:

(ا) نبی اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کیسی تھی؟ احادیث کی روشنی میں بیان کیجیے۔

(ب) چھوٹوں سے شفقت کے بارے میں حدیث بیان کیجیے۔

(ج) گھریلو زندگی کے آداب کی نشاندہی کرتے ہوئے اس کے نظم وضبط کی اہمیت بیان کیجیے۔

2- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

(ا) اسلام میں گھر کا سربراہ کس کو قرار دیا گیا ہے؟

(ب) ''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ'' کا ترجمہ لکھیے۔

(ج) والدین کا اولاد پر کوئی ایک حق بیان کریں۔

(د) گھریلو زندگی کی اہمیت دو سطروں میں بیان کیجیے۔

(ہ) نبی اکرم ﷺ گھر میں کس طرح وقت گزارا کرتے تھے؟

3- مناسب الفاظ کے ساتھ خالی جگہیں پر کیجئے۔

(ا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہمارے سامنے .... ہے۔

(ب) بہترین...........گھر والوں پر مال خرچ کرنا ہے۔

(ج) خاموشی کے ساتھ اچانک .... میں داخل نہ ہوں۔

(د) جو ہمارے چھوٹوں پر............نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

(ہ) استیئذان کا مفہوم ہے.................طلب کرنا۔

4- مندرجہ ذیل جملوں میں سے صحیح کے سامنے (صحیح) اور غلط کے سامنے (غلط) لکھیے:

(ا) اولاد کو وراثت میں اُس کے شرعی حصّہ سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

(ب) جو اولاد والدین کی خدمت سے غافل رہتی ہے وہ خود کو اجرِ عظیم سے محروم کر لیتی ہے۔

(ج) ماں باپ کو محبت کی ایک نگاہ سے دیکھنے کا ثواب ایک عمرہ کے ثواب کے برابر ہے

(د) اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اجازت طلب کرنا غیر ضروری ہے۔

5- دیے گئے جوابات میں سے صحیح کا انتخاب کیجئے۔

(1) بہترین شخص وہ ہے جو اچھا ہے

(ا) اپنے اہل وعیال کیلئے (ب) اہل محلہ کیلئے (ج) اپنے رشتہ داروں کیلئے (د) اپنے دوستوں کیلئے

(2) قوام سے مراد ہے

(ا) نگہبان (ب) افسر (ج) گورنر (د) ماتحت

(3) گھر کا سربراہ ہے

(ا) شوہر (ب) بیوی (ج) بیٹا (د) سب گھر والے

(4) بوڑھے ماں باپ کی خدمت سے غفلت

(ا) خطا ہے (ب) درست ہے (ج) معمولی گناہ ہے (د) اجر سے محرومی ہے

(5) استیئذان کے احکام بیان کئے گئے ہیں

(ا) سورۃ النسآء میں (ب) سورۃ المائدۃ میں (ج) سورۃ النور میں (د) سورۃ البقرۃ میں

سرگرمی برائے طلبہ:

گھریلو زندگی میں اپنے فرائض کے بارے میں دس سطریں اپنے اسلوب میں لکھیں اور کمرۂ جماعت میں سنائیں۔

باب چہارم

اخلاق وآداب

1- خشیتِ الٰہی

خشیتِ الٰہی سے مراد ہے اللہ کا ڈر۔ یہ اِنسان کی زندگی کے سنوارنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور آخرت کی کامیابی کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کچھ قریشی سرداروں کو دین کی دعوت دے رہے تھے۔ اتنے میں ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن ام مکتوم آ گئے۔ آپ ﷺ کو ان کا آنا کسی وجہ سے ناگوار لگا تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس میں فرمایا کہ کسی شخص کا مرتبہ اس کی دنیاوی سرداری یا مال ودولت پر نہیں بلکہ خوف وخشیتِ الٰہی پر ہے۔ جو لوگ خشیتِ الٰہی کے تحت آپ ﷺ کے پاس دین سیکھنے کے لیے آئیں، آپ ﷺ کی توجہ کا اصل مرکز یہی لوگ ہونے چاہییں۔

خشیتِ الٰہی نیکی کا سرچشمہ ہے۔ بُرائی سے اس لیے بچنا کہ اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے، خشیتِ الٰہی ہے اور اللہ کی رضا کے لیے نیکی کرنا اس کا دوسرا رُخ ہے۔ خشیتِ الٰہی درحقیقت ایک ایسے خوف کا نام ہے، جس میں محبت، رعب اور احترام ملے جلے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے والد اور استاد سے ڈرتے ہیں لیکن اس ڈر میں محبت اور احترام بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند اسلامی تعلیمات درج کی جاتی ہیں۔

ارشادِ ربّانی ہے ''بے شک اللہ کے بندوں میں سے وہی اس سے ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں''۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خشیتِ الٰہی علم سے پیدا ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''قسم اُس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم وہ سب جان لو، جو مجھے معلوم ہے تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے اور رونا بہت زیادہ ہو جائے۔''

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اللہ کے نیک اور خدا ترس بندے وہ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں۔ اس کے باوجود اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں ردّ نہ ہو جائیں۔ یہی لوگ تیزی سے نیکی کی طرف بڑھنے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس بندۂ مومن کی آنکھوں سے خشیتِ الٰہی کے تحت مکھی کے سر جتنا آنسو بھی اس کے رخساروں پر بہہ نکلے تو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اس پر حرام کر دے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب خشیتِ الٰہی سے کسی بندے کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے کسی (خزاں رسیدہ) بوڑھے درخت سے اس کے پتے جھڑتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خشیتِ الٰہی انسان کو اللہ سے بہت قریب کر دیتی ہے کیونکہ اس کی وجہ سے انسان برائیوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے خشیت الٰہی کو دانائی کی اصل بنیاد قرار دیا ہے اور اللہ نے اسے انسانی فضیلت کا ذریعہ بتایا ہے۔

مشق

1- خشیتِ الٰہی کے متعلق اسلامی تعلیمات بیان کریں۔

2- خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) خشیتِ الٰہی سے مُراد................. ہے

(ب) آخرت کا ڈر انسان کی زندگی کو سنوارنے اور آخرت کی.................کا بڑا ذریعہ ہے۔

(ج) خشیتِ الٰہی.................کا سرچشمہ ہے۔

(د) وہی مومن اللہ سے ڈرتے ہیں جو.................والے ہیں۔

(ہ) جس مومن کی آنکھ سے.................جتنا آنسو بھی بہہ نکلے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

(و) آپ ﷺ نے خشیت الٰہی کو.................کی بنیاد قرار دیا ہے۔

2-اَمر بالمعروف ونہی عَنِ المنکَر

امر کے لفظی معنی ہیں کسی کام کے کرنے کا حکم دینا اور نہی کے معنی ہیں کسی بات سے روکنا۔ معروف کے معنی ہیں جانا پہچانا جسے آپ جانتے ہوں جو آپ کی فطرت سے موافقت رکھتا ہو، جس سے کوئی اجنبیت محسوس نہ ہو۔ شرعی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے نیک کام، جنہیں انسان کی اپنی فطرت اور پورا انسانی معاشرہ اچھے کاموں کی حیثیت سے پہچانتا ہو۔ اس کے برعکس منکر وہ ہے جو انسانی فطرت کے مطابق نہ ہو اور انسان فطری طور پر اسے اچھا نہ سمجھے۔ عام الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ امر بالمعروف سے مراد ہے نیک کاموں کا حکم دینا اور نہی عن المنکر سے مراد برائی سے روکنا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اُمتِ مُسلمہ پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب دنیا میں قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور ہم آخری اُمت ہیں۔ اب لوگوں تک ہدایت ورہنمائی اور اسلام کی تعلیمات پہنچانے کی ذمہ داری اُمت محمد یہ پر عائد ہوتی ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران 110)

ترجمہ: (اے مومنو!) تم سب سے بہتر اُمت ہو۔ (تمھیں) لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

دوسری جگہ یہی بات ان الفاظ میں دہرائی گئی۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرۃ۔143)

ترجمہ: اور اس طرح ہم نے تمھیں بہتر (درمیانی) امت بنایا ہے۔ تاکہ تم دوسرے تمام انسانوں کے لیے (ہمارے دین کے) شاہد بن جاؤ اور (ہمارا یہ) رسول تمہارے لیے شاہد ہے۔''

ہماری اُمت کی فضیلت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر ہم یہ فریضہ سرانجام دینے میں کوتاہی کریں گے تو نہ صرف ہماری فضیلت ختم ہو جائے گی بلکہ اللہ کے ہاں ہمیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ملّتِ اسلامیہ کے

افراد کے ساتھ اسلامی حکومت کا اولین فریضہ بھی یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط (الحج۔41)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام کریں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔''

اس طرح ایک اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ وہ جب تک برسر اقتدار رہے اپنے تمام وسائل کو استعمال کرتے ہوئے نیکی کو پھیلائے اور بے حیائی اور بُرائی کو مٹائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیطانی تدبیریں اور نفس کی ترغیبات انسان کو نیکی سے غافل کرنے میں ہر وقت لگی رہتی ہیں۔ اس لیے یہ بات بہت ضروری ہے کہ انسان کو حقیقت حال کی یاد دہانی کا کام بھی اسی طرح مسلسل ہوتا رہے۔ نیکی کی طرف بلانے کے لیے قرآن نے اسی لیے ذِکر یا ذِکریٰ (یاد دہانی) کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اسلامی حکومت کے ذرائع ابلاغ کے لیے لازم ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرنے اور بدی و بے حیائی سے روکنے کے سلسلے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔

رسولِ پاک ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی شخص اگر ظلم و زیادتی اور بُرائی کو طاقت کے ساتھ روک سکتا ہو تو زور بازو سے روک دے۔ اس کی ہمت نہ ہو تو زبان سے روک دے۔ لیکن اگر اس کا ایمان بے حد کمزور ہے تو وہ اسے دل سے برا سمجھے۔ اگر اتنا بھی نہ ہو تو پھر ایمان کا کون سا درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اُمت کا ہر فرد اپنی پہنچ کی حد تک لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کا پابند ہے۔ اب اگر اس کی کوتاہی کی وجہ سے کوئی شخص اسلام سے محروم رہ جاتا ہے اور قیامت کے دن اللہ کے دربار میں یہ دعویٰ پیش کرتا ہے کہ تیرا یہ مسلمان بندہ اسلامی تعلیمات اور صراطِ مستقیم کا امین تھا اور اس پر تیری طرف سے یہ فرض عائد تھا کہ وہ لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے۔ لیکن اس نے مجھے کبھی نیکی کا حکم نہیں دیا، دین کی دعوت نہیں دی اور بُرائی سے نہیں روکا۔ اس لیے میری گمراہی اور بُرائی کا اصل ذمّہ دار یہ ہے اور اسے اس بات کی سزا ملنی چاہیے تو اس بات کا جواب ایک مسلمان کو ابھی سے سوچ رکھنا چاہیے۔

امر بالمعروف کی شرائط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جہاں اس قدر اہم ہے وہیں اس کے لیے کچھ شرائط بھی رکھی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں

جن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، اُن میں سے چند ایک باتیں درج کی جاتی ہیں:

دین کے بارے میں کسی پر جبر کی اجازت نہیں۔ آپ اس بات کے تو پابند ہیں کہ لوگوں کو اسلام کی حقانیت اور کفر کی بُرائی پوری وضاحت اور دلائل سے سمجھا دیں۔ لیکن اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اسلام قبول کرنا ایک شخص کے اختیار اور آزادانہ مرضی وانتخاب پر منحصر ہے اور آپ پر لازم ہے کہ یہ کام حکمت اور عمدہ نصیحت کے انداز میں سرانجام دیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ وہارون علیہم السلام کو حکم ہوا تھا دیکھنا! نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا گیا کہ یہ ہمارا فضل واحسان ہے کہ تم میں نرمی پیدا کر دی گئی ہے۔ اگر تم تندخو اور سخت دل ہوتے تو پھر کون تمہارے پاس بیٹھتا اور تمہاری بات سنتا۔ اس لیے نیکی کا حکم دیتے وقت نرمی اور ملائمت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ اگر سختی اور اکھڑ پن سے کام لیا تو فائدے کی بجائے نقصان کا امکان ہے اور پھر ''وعظ ونصیحت اس انداز میں کی جائے کہ بات خود بخود مخاطب کے دل میں اتر جائے''۔ (النسآء۔ 63) اور اس کے ساتھ دل میں انسانیت کی بھلائی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ اسی لیے اس کام کو نصیحت کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں خیر خواہی یا بھلائی چاہنا۔ اسی طرح اس بات کی بھی تاکید کی گئی ہے کہ جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دیں خود بھی اس پر عمل کرتے ہوں۔ ارشادِ ربّانی ہے ''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟''

نیکی پھیلانے اور بُرائی مٹانے کا فرض ہر مسلمان پر زندگی کے ہر دور اور ہر مرحلے میں لازم ہے۔ ہم پر لازم ہے کہ دین کا پوری توجہ سے مطالعہ کریں۔ خُود بھی اس کا علم حاصل کریں اور اللہ کے دوسرے بندوں تک بھی اللہ کے احکام وہدایات پہنچاتے رہیں۔ اگر کوئی شخص بُرا بن جائے گا تو اس کی برائی سے ہم اور ہمارے عزیز واقارب بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ اس لیے بہتر معاشرہ قائم کرنے کے لیے ہم بھی اپنے حصہ کی ذمہ داری ادا کریں۔

مشق

1- امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے کیا مُراد ہے؟
2- امر بالمعروف ونہی عن المنکر اُمتِ محمدیہ پر کیوں فرض قرار دیا گیا ہے؟
3- اُمتِ مُسلمہ کی فضیلت کی بنیاد کیا ہے؟ تفصیل بتائیں۔
4- ایک مسلمان حکومت کا اولین فریضہ کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
5- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُرائی سے روکنے کے بارے میں جو ہدایت فرمائی ہے اسے واضح کریں۔
6- امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی شرائط بیان کریں۔

7- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) امر کے معنی ہیں کسی کام کے کرنے کا.................دینا۔

(ب) نہی کے معنی ہیں کسی بات سے.................دینا۔

(ج) معروف وہ ہے جس سے آپ.................ہوں اور اس سے اجنبیت محسوس نہ کریں۔

(د) منکر وہ ہے جو انسانی فطرت سے.................نہ رکھتا ہو۔

(ہ) امت مسلمہ پر.................فرض قرار دیا گیا ہے۔

8- درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(1) تم سب سے بہتر:

(ا) بندے ہو (ب) اُمت ہو (ج) انسان ہو (د) مرد ہو

(2) دین کے بارے میں اجازت نہیں:

(ا) جبر کی (ب) عمل کی (ج) تبلیغ (د) نصیحت کی

(3) دل میں ہونا چاہیے انسانیت کی بھلائی کا:

(ا) جذبہ (ب) نعرہ (ج) دعویٰ (د) خیال

(4) نیکی کی طرف بُلانے کے لیے قرآن نے لفظ استعمال کیا ہے:

(ا) ذکریٰ (ب) صوم (ج) صلوٰۃ (د) زکوٰۃ

(5) نصیحت اِس طرح کی جائے کہ بات مخاطب کے اُتر جائے:

(ا) کان میں (ب) دِل میں (ج) دماغ میں (د) خیال میں

سرگرمی برائے طلبہ

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت کے پیشِ نظر طلبہ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو اُنہیں نیکی کی تلقین کرے اور سکول میں ناپسندیدہ باتوں کی نشاندہی کرے۔

3- حقوق العباد

(یتیم، بیوہ، معذور، مسافر)

یتیموں کے حقوق

جو چھوٹے بچے اپنے باپ کے سایۂ شفقت سے محروم ہو جاتے ہیں، ان کے متعلق معاشرے کے افراد پر کچھ فرائض یا ذمّہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ معاشرے کے تمام افراد کا فرض بنتا ہے کہ یتیم کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں۔ اس کی ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ اس کے مال و اسباب کی حفاظت کریں۔ اس کی تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام کریں۔ جب یتیم بچے عاقل و بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دیں۔ یتیم بچیوں کی پرورش اور ان کی شادی بیاہ کا خاص طور پر اہتمام کریں اور ان یتیموں کو اس بات کا احساس نہ ہونے دیں کہ وہ باپ کے سائے سے محروم ہیں۔ بلکہ ان کو وہ تمام آرام، سہولیات، تحفظ اور توجہ فراہم کریں جو ان کا باپ زندہ ہونے کی صورت میں انہیں فراہم کرتا۔

ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہی یتیم ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیموں کی بے کسی کا خوب اندازہ تھا۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی یتیموں کے متعلق متعدد ہدایات دی ہیں۔

قرآنی احکام

یتیم کو حقیر و بے سہارا سمجھ کر انہیں دھکے نہ دیے جائیں۔ (الماعون۔2) نہ ان کے احترام میں کوئی کمی کی جائے (الفجر:17) یتیم پر قہر اور ستم نہ کیا جائے (الضحیٰ:9)

کسی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا (البلد۔15) لیکن یتیم کو یہ کھانا اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کھلایا جائے۔ (الدھر۔8)

یتیموں کا مال اپنے مال میں شامل نہ کرو۔ بلکہ احتیاط اور ذمّہ داری سے ان کے حوالے کر دو۔ وگرنہ یہ بہت بڑا گناہ ہوگا۔ (النسآء۔2) لیکن ناسمجھی کی عمر میں یتیموں کے مال ان کے حوالے نہ کرو۔ بلکہ ان کی پرورش بھی کرو اور ان کے مال بھی حفاظت سے رکھو۔ پھر جب وہ بڑے اور سمجھ دار ہو جائیں تو اُن کے مال ان کے سپرد کر دو (النسآء:6,5)

یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کریں۔ (النسآء:127)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات

☆ میں اور کسی یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں دو ساتھ ساتھ والی انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے۔

☆ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔

☆ جو کسی یتیم بچے کو اپنے گھر بلا کر لائے اور اس کو کھلائے پلائے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمت عطا فرمائے گا۔

صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل

☆ کسی یتیم کی پرورش کا سوال آتا تو اس کے لیے متعدد صحابہؓ پیش کش کرتے۔

☆ بدر کے یتیموں کے حق میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے حصے سے دستبردار ہو گئیں۔

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یتیم بچیوں کی پرورش کا بڑا اہتمام کرتیں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اکثر کسی یتیم بچے کو ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

☆ حضرت ابو الدحداح رضی اللہ عنہ نے اپنا باغ ایک یتیم بچے کو ہبہ کر دیا۔

اسلام نے مسلمان حکمرانوں اور قاضیوں کی ذمّہ داری قرار دی کہ وہ یتیموں کے اموال، مفادات اور معاملات کی دیکھ بھال کریں اور ان کے سرپرست کے طور پر ان کی شادی بیاہ کا بھی بندوبست کریں۔

بیواؤں کے حقوق

بیوہ کے ساتھ انسانی تاریخ میں جو ظلم روا رکھا گیا ہے، وہ انتہائی دردناک ہے۔ عرب میں یہ جانوروں کی طرح خاوند کے وارثوں کی غلامی میں چلی جاتی تھیں۔ یہودیوں میں یہ مرحوم شوہر کے بھائی کی ملکیت قرار پاتی تھیں۔ ہندو مذہب نے تو اس سے زندہ رہنے کا حق بھی چھیننے کی کوشش کی۔ یا تو وہ شوہر کی چتا کے ساتھ جل مرے اور ستی ہو جائے۔ وگرنہ ساری عمر لعنت اور نحوست کی علامت بن کر سوگ میں گزار دے۔

اسلام نے بیواؤں کے حقوق متعین کیے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆ خاوند کی وراثت میں سے اسے باقاعدہ ایک مقررہ حصے کا حق دار قرار دیا اور اگر مہر ابھی تک ادا نہ ہوا ہو، تو خاوند کے مال میں سے اس کی علیحدہ ادائیگی لازم قرار دی گئی۔

☆ خاوند کی وفات کا دائمی سوگ ختم کر کے چار ماہ دس دن کی مدت مقرر کی۔

☆ بیوہ کو اپنی دوسری شادی کی پوری آزادی دے دی گئی اور کسی کو اس پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

☆ بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والے کو مجاہد فی سبیل اللہ، دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے والے کے برابر قرار دیا۔

معذوروں کے حقوق

☆ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معذوری کی بنا پر لوگوں کے حقارت آمیز القابات رکھنے سے منع فرمایا۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی کوئی ایک مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں میں سے اس کی کوئی مصیبت دور فرمائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بھولے بھٹکے کو یا کسی نابینا کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔

☆ بیمار کی عیادت کو لازمی قرار دیا۔ عیادت کے معنی عربی میں صرف بیمار پرسی کے لیے جانا نہیں۔ بلکہ اس کی تیمارداری اور خدمت بھی عیادت میں شامل ہیں۔ جو شخص کسی بیماری کی وجہ سے معذور ہو گیا ہے اُس کے متعلقین پر لازم ہے کہ اس کی خدمت گزاری میں حاضر رہیں۔

☆ معذوروں سے کوئی ایسا کام نہ لیا جائے، جو ان کے لیے تنگی اور حرج کا باعث ہو۔ سورۃ الفتح میں نابینا، لنگڑے اور مریض کا نام لے کر فرمایا گیا ہے کہ ان پر جہاد میں شمولیت لازم نہیں۔ سورۃ توبہ میں ضعفاء کے ساتھ بھی جہاد وغیرہ کے سلسلے میں نرمی برتی گئی ہے۔

☆ معذور انسان دراصل بے بس ہوتا ہے۔ وہ بعض کام خود سرانجام دینے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسلامی معاشرے کی تو بنیاد ہی انسانی ہمدردی پر ہے۔ بھلا اس ہمدردی کا حق دار معذور انسان سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے معذوروں کو اپنے حقوق و عبادات کے سلسلے میں رعایتیں اور رخصتیں دی ہیں۔ یہ بات بندوں کے لیے ترغیب کا درجہ رکھتی ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ نرمی اور رعایت برتیں اور ان کی تنگی اور پریشانی دور کرنے میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیمار اور معذور کی خدمت کو خود اپنی خدمت قرار دیا ہے۔ اس میں کوتاہی کرنے والے کو قیامت کے دن ذِلّت و ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں معذوری سے محفوظ رکھا ہے تو یہ اس کا فضل و احسان ہے۔ ہم پر بھی لازم ہے کہ اللہ کے اس فضل و احسان کا شکر ادا کریں اور اس اظہار تشکر کی ایک صورت یہ ہے کہ ہم معذور بھائیوں کی امداد اور خدمت کریں۔ لیکن

ان پر احسان نہ دھریں۔ نہ انہیں ان کی معذوری کا احساس ہونے دیں۔ بلکہ ان کی اس طرح خدمت اور تربیت کریں کہ وہ اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے کرنے کے قابل ہو سکیں۔ معذور کی خودداری اور عزتِ نفس کو مجروح نہ کریں۔ بلکہ اس کے سامنے اس کی معذوری کا ذکر بھی نہ کریں۔

مسافر کے حقوق

مسافر انسان اپنے گھر سے دور ہوتا ہے اور وقتی طور پر آرام و آسائش سے محروم ہوتا ہے۔ اس کی نگہداشت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مسافر اور انجانے مہمان فرشتوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس میں بھی ہمارے لیے رہنمائی کا سامان ہے۔

مسافر کی خدمت کے آداب

☆ بات چیت کا آغاز سلام سے ہونا چاہیے۔ یہ ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعا ہے اور اس کے بعد کھانے پینے کا انتظام فوری طور پر کرنا چاہیے۔ مسافر کی خدمت کر کے خوشی محسوس ہونی چاہیے۔

☆ اس کے آرام کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہر وقت اس کے پاس نہ رہیں بلکہ اسے کچھ دیر کے لیے تنہا بھی چھوڑ دینا چاہیے۔

☆ مسافروں کی عزت و احترام کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ جس طرح حضرت لُوط علیہ السلام نے اپنے مہمانوں کے احترام کی ہر ممکن کوشش فرمائی تھی۔

☆ قرآن کریم نے صدقات کے مصارف میں سے ایک مصرف ابن السبیل (راہ گیر یا مسافر) بھی قرار دیا ہے۔

☆ سفر پر روانگی کے وقت مسافر کو تھوڑی دور تک ساتھ چل کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کریں۔

☆ سفر سے واپسی پر مسافر کا استقبال کرنا بھی اچھی بات ہے۔

مشق

1- یتیموں کے بارے میں قرآنی احکام بیان کریں۔

2- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یتیموں کے بارے میں کیا تعلیمات ہیں؟

3- یتیموں کے بارے میں صحابہ کے طرزِ عمل کی مثالیں پیش کریں۔

4- اسلام سے پہلے بیواؤں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا؟

5- اسلام نے بیواؤں کے حقوق کے سلسلے میں کیا ہدایات دیں؟

6- معذوروں کے حقوق بیان کریں۔ان کے متعلق ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

7- مسافر کے حقوق بیان کریں۔

8- اگر آپ کے خاندان میں کوئی یتیم بچہ ہے تو آپ کے والدین کس طرح اس کی مدد کرتے ہیں؟

9- مسافر کی خدمت کے آداب بیان کیجیے۔

10- خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) ہمیں چاہیے کہ یتیم کے مال وجائداد کی.................کریں۔

(ب) ناسمجھی کی عمر میں.................کے مال ان کے حوالے نہ کرو۔

(ج) مسافروں کے.................کا انتظام فوری طور پر کرنا چاہیے۔

(د) ابن السبیل کے معنی.................ہیں۔

(ہ) اسلام نے خاوند کی میراث میں سے بیوہ کا باقاعدہ.................مقرر کیا ہے۔

11- درست جواب پر(✓) کا نشان لگائیں۔

(1) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اکثر ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔

(ا) ہمسائے کو (ب) یتیم کو (ج) دوست کو (د) بیٹے کو

(2) قرآن نے معذوری کی بنا پر حقارت آمیز منع فرمائے ہیں۔

(ا) القاب (ب) کام (ج) اعمال (د) نشانات

(3) معذور انسان دراصل ہوتا ہے۔

(ا) بےبس (ب) طاقتور (ج) چست (د) توانا

(4) بات چیت کا آغاز ہونا چاہیے۔

(ا) سلام سے (ب) ہنسنے سے (ج) غصے سے (د) دوڑنے سے

(5) مسافروں کی عزت واحترام کا ضروری ہے:

(ا) تحفظ (ب) عدم تحفظ (ج) اعلان (د) معاوضہ

سرگرمی برائے طلبہ:

بیواؤں اور مسافروں کے حقوق کے علیحدہ علیحدہ چارٹ بنا کر کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

4- کاروبار میں دیانت

ایک مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، اور جو کچھ بھی کر رہا ہو، وہ اللہ کا بندہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیروکار اور امتی ہے اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایک بندۂ مومن کی زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کا انتظام فرما دیا ہے۔ کاروبار کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ایک مسلمان اگر کاروبار اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے بھی اسے بنیادی ہدایات فراہم کر دی گئی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپؐ نے فرمایا کہ نو حصے رزق کاروبار میں ہے اور باقی ایک حصہ دوسرے تمام کاموں میں ہے۔ کاروبار میں دیانت کے بارے میں اسلام نے ہمیں مندرجہ ذیل ہدایات فرمائی ہیں:

دیانت داری کا انعام

سچا اور دیانت دار تاجر انبیاء، صدّیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاروبار میں دیانت کی وجہ سے انسان کو سب سے بڑے مرتبے والے لوگوں کا ساتھ نصیب ہوگا۔ جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن تاجروں کا حشر فاجروں اور بدکاروں جیسا ہوگا، سوائے ان تاجروں کے جو تقویٰ، نیکی اور سچائی اختیار کریں۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی اور عذاب کے حق دار ہوں گے۔ ان میں سے ایک وہ تاجر ہے، جو جھوٹی قسموں کے ذریعے اپنا کاروبار چلاتا ہے۔

بددیانتی کی سزا

جو شخص دھوکہ دے وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔ ایک جنس کا ڈھیر اس طرح لگائے کہ اوپر اچھا مال ہو اور نیچے ناقص۔ یا مال میں ملاوٹ کرے۔ یا قیمت اعلیٰ مال کی لے اور مال گھٹیا دے۔ اسی طرح ناپ تول میں ہیرا پھیری بھی کاروبار کے سلسلے میں بہت بڑی اور عام قسم کی بددیانتی ہے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الرحمٰن، الشعراء، ہود، الاعراف، الانعام، بنی اسرائیل میں ایسی بددیانتی کی مذمّت آئی ہے۔ سورۃ المطفّفین کا تو نام ہی اس کاروباری بددیانتی کے حوالے سے رکھا گیا ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اسی بددیانتی کی وجہ سے عذابِ الٰہی نازل ہوا تھا۔

نفع و نقصان

کاروبار میں دیانت سے اس میں اضافہ اور ترقی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس طرح خریداروں کا دکاندار پر اعتماد قائم ہوتا ہے اور یہ اعتماد ختم ہو جائے تو کاروبار ٹھپ ہو جاتا ہے۔ کاروبار میں بددیانتی یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس تاجر کو اپنے مسلمان

بھائیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں۔ وہ فریب کاری کے ذریعے ان کا نقصان کر کے اپنا فائدہ چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ ملاوٹی اور مُضرِ صحت اشیاء فراہم کر کے لوگوں کی صحت کے ساتھ کھیلنے سے بھی باز نہیں رہتا۔ ایسا دشمنِ انسانیت شخص مسلمان ہونے کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟

ابتدائی دور میں دور دراز علاقوں میں اسلام کی اشاعت مسلمان تاجروں کی دیانت ہی کے ذریعے ہوئی تھی۔ آج غیر مسلم تاجروں نے کاروبار میں دیانت اختیار کی ہے اور وہ دنیا کی منڈیوں پر چھا گئے ہیں اور ہم لوگ اس سے روگردانی کر کے اپنا اعتماد اور اپنی ساکھ کھو بیٹھے ہیں اور کاروبار میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ حالانکہ غیر مسلموں کی کاروبار میں دیانت ان کی محض ایک پالیسی ہے جبکہ ہمارے لیے دیانت ایمان کا مسئلہ ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دیانت دار نہیں اس کا کوئی ایمان نہیں۔

مشق

1- کاروبار میں دیانت کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بیان کریں۔

2- آخرت میں دیانت داری کا کیا انعام بیان کیا گیا ہے؟

3- کاروبار میں بد دیانتی کے دنیوی اور اُخروی کوئی سے پانچ نقصانات بیان کریں۔

4- کاروبار میں بد دیانتی کی مذمت کِن قرآنی سورتوں میں آئی ہے؟

5- **خالی جگہ پُر کریں۔**

(ا) سورۃ..................کا نام ہی ناپ تول میں کمی بیشی کی بناء پر رکھا گیا ہے۔

(ب) حضرت..................کی قوم پر عذاب کا ایک سبب ناپ تول میں ہیرا پھیری بھی تھا۔

(ج) دیانت داری اختیار کرنے سے..................میں ترقی ہوتی ہے۔

(د) ملاوٹ کرنے والا..................کا دشمن ہے۔

(ہ) غیر مسلموں کی کاروباری دیانت اُن کی ایک کاروباری..................ہے۔

(و) مسلمانوں کے لیے کاروبار میں دیانت ان کے..................کا معاملہ ہے۔

(ز) جو شخص دیانت دار نہیں اس کا کوئی..................نہیں۔

سرگرمی برائے طلبہ:

کاروبار میں دیانت داری کے فوائد پر ایک مذاکرہ کیجئے اور اِس میں سب طلبہ حِصّہ لیں۔

5- تعلقات میں منافقت سے اجتناب

منافقت کسی قوم کی زندگی کا بہت بڑا روگ ہے۔ یہ ایک سرطان کی طرح ملّی وجود کی رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے اور اس سے ایک قوم دُنیا میں رسوا ہو کر رہ جاتی ہے۔ منافقت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اندر سے کچھ اور ہو اور باہر سے کچھ اور۔ انسانی زندگی کا ایک دائرہ اس کی ذاتی اور انفرادی زندگی تک محدود ہوتا ہے اور دوسرا دائرہ سماجی اور معاشرتی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

رشتے داروں سے اخلاص ومحبت

آپس کے میل جول میں جن لوگوں کے ساتھ ہمارا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے وہ ہمارے رشتے دار اور دوست احباب ہیں۔ ان میں سے تمام لوگوں کے ساتھ ہمارے تعلقات ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کسی کے ساتھ ہمارے تعلقات زیادہ گہرے ہوتے ہیں اور کسی کے ساتھ معمولی اور واجبی سے۔ اب اس بات کی آخر کیا ضرورت ہے کہ ہم ہر ایک پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کریں کہ اس کے ساتھ ہمارے تعلقات بہت گہرے ہیں۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ تمہیں واقعی محبت ہو اسے یہ بات بتا دیا کرو۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جھوٹی محبت جتا کر دھوکہ نہ دیا جائے۔ کوئی شخص ضرورت کے وقت ہمیں دھوکہ دے جائے تو ہمیں کس قدر دکھ اور پریشانی ہو گی۔ اسی طرح ہمیں بھی اپنے تعلقات میں صاف اور منافقت سے پاک رہنا چاہیے۔

حکمرانوں سے تعلقات کی نوعیت

کسی ملک کی باگ ڈور اس کے سیاسی لیڈروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ لوگ بڑے سمجھ دار اور بلند کردار ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات کچھ سیاسی رہنماؤں کا دامن منافقت سے پاک نہیں رہتا۔ اگر کوئی سیاسی رہنما منافقت کی بجائے حقیقی طور پر ملک وملّت کی بھلائی اور ترقی کے لیے کام کرے تو اس کا بھی بھلا ہے اور اس کی قوم کا بھی۔ اس دُنیا میں عزت اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل ہو گی۔ ایک تاجر اور دکان دار خریداروں سے محبت جتاتا ہے۔ کہتا ہے یہ رعایت صرف آپ کے لیے ہے۔ اس طرح انہیں چالبازی سے اعتماد میں لے کر ان سے دھوکہ کرنا اس کی آخرت برباد کرتا ہے اور اس کا کاروبار بھی متاثر ہوتا ہے۔ بعض تاجر ملاوٹ کے ذریعے لوگوں کو ناقص اشیا فراہم کر کے اُن کی صحت برباد کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ایسے لوگ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔

سماجی کارکنوں سے حُسنِ سلوک

دنیا میں آج کل سماجی خدمت کا بھی کافی رواج ہے۔ بہت سے خدا کے بندے خالص انسانی بھلائی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے مصیبت زدہ اور ضرورت مند بھائیوں کی خدمت میں مصروف ہیں لیکن یہاں بھی منافقت نے راہ پالی ہے۔ بہت سے لوگ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے اندر ملک وملّت کی خدمت کا جذبہ ہے۔لیکن اُن کے مقاصد کچھ اور ہوتے ہیں۔اُن سے انسانیت کوکوئی بھلائی حاصل نہیں ہوتی۔

پاکستان ہماراوطن ہے اور ہم سب کو اس میں رہنا ہے۔اس کی عزّت اور ترقی ہی میں ہماری فلاح و کامیابی ہے اور ہماری ترقی و کامیابی کا راز اسلام کے بتائے ہوئے دیانت اور راست بازی کے اصولوں میں ہے۔لیکن بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے اہلِ وطن بھائیوں کو بھی دھوکہ دینے سے باز نہیں رہتے۔نمونہ کچھ دکھاتے ہیں چیز کچھ دیتے ہیں۔اسی طرح جو مال باہر کے ملکوں کو بھیجا جاتا ہے بعض اوقات وہ بھی طے شدہ اور دکھائے گئے نمونے سے مختلف اور غیر معیاری ہوتا ہے۔اس سے دوسرے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ملکی برآمدات متاثر ہوتی ہیں۔اور ملک کی ترقی اور اس کے باشندوں کی خوش حالی پر برا اثر پڑتا ہے۔

منافقانہ طرزِ عمل کے نقصانات

منافقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک انسان اپنے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ وہ اندر سے کھوکھلا اور گناہگار ہے۔اس لیے وہ جھوٹے انداز میں اچھا بننے کے لیے منافقت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ایسا شخص لوگوں کو دھوکا دینا چاہتا ہے کہ وہ ان کا ہمدرد اور خیر خواہ ہے لیکن لوگ کسی کے زُبانی دعوؤں کو نہیں دیکھتے بلکہ اس کے عملی رویے اور کردار سے اُس کے دلی جذبات کا اندازہ لگاتے ہیں۔قرآن نے منافقوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں تو وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔لیکن انہیں اس بات کا اندازہ نہیں۔

☆ منافقت ظاہر کرتی ہے کہ ایک شخص کے دل میں انسانیت کے لیے کوئی خلوص نہیں بلکہ وہ ایک خُود غرض اِنسان ہے اور اپنے مقاصد کے لیے منافقت کا سہارا لیتا ہے۔

☆ منافقت ایک شخص کی کم علمی، نادانی اور جہالت کی بھی غمازی کرتی ہے۔ایسا شخص دوسروں کو بیوقوف سمجھتا ہے کہ وہ اس کی منافقانہ چکنی چپڑی باتوں میں آجائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عقل دی ہے۔منافقت کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس نے دوسرے کو بیوقوف بنالیا۔جبکہ حقیقت میں وہ خود ہی بیوقوف بن رہا ہوتا ہے۔

منافقت ایک بُری بات ہے اور اس کے ہر سطح پر بہت بُرے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہم خُود بھی سوچیں تو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔مختصراً منافقت کے چند نقصانات درج ذیل ہیں:

☆ سب سے پہلے تو منافقت کرنے والے کو ذاتی طور پر اس دُنیا میں بہت سے نقصانات پہنچتے ہیں۔اس پر کوئی اعتماد نہیں کرتا اور اس کی وجہ سے اس کے بہت سے کام رُک جاتے ہیں۔ وہ اگر کاروباری شخص ہے، تو اس کا کاروبار تباہ ہوجاتا ہے۔سیاستدان ہے تو مستقبل کی کامیابی ختم ہوجاتی ہے۔دوست رشتے دار اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور وہ معاشرے میں نفرت وحقارت کی علامت بن کر رہ جاتا ہے۔

☆ افراد کی منافقت معاشرے کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔جس معاشرے کے لوگوں کا ظاہر و باطن ایک نہ ہو ان کا باہمی اعتماد ختم ہوجاتا ہے۔ایسا معاشرہ امن اور خوشحالی سے محروم ہوجاتا ہے۔

☆ منافقت سے ملک وملت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔قوموں کی برادری میں ذلّت ورُسوائی ہوتی ہے۔ برآمدات متاثر ہوتی ہیں۔ بیرونی تجارت کم ہو جاتی ہے۔قومی ترقی رُک جاتی ہے۔صنعتیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ بے روزگاری بڑھتی ہے۔

دوغلے پن کا آخرت میں انجام

منافقت کرنے والے کی آخرت بھی برباد ہے۔ارشادِ ربّانی ہے کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوں گے۔قرآن میں اس کے لیے درک کا لفظ آیا ہے۔عربی میں اِس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی سیڑھی سے نیچے اُتر رہا ہو تو سیڑھی کا ہر نچلا پایہ درک کہلاتا ہے۔یعنی یہ شخص انسانیت اور زندگی کی سیڑھی پر مسلسل ذلت وپستی ہی کی طرف سفر کرتا رہا ہے اور اپنی پستی کے اس سفر کی بنا پر آخرت میں جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں پہنچ گیا۔اللہ تعالیٰ ہمیں ذلت وپستی کی اس انتہا سے اپنی پناہ میں لے لے۔آمین۔

مشق

1- معاشرتی زندگی میں منافقت کے کسی ایک پہلو پر تفصیل سے گفتگو کریں۔
2- منافقانہ طرزِعمل کے پانچ نقصانات بیان کریں۔
3- آخرت میں منافقوں کا کیا انجام ہوگا؟
4- رشتے داروں اور سماجی کارکنوں سے حُسنِ تعلق پر نوٹ لکھیں۔

5- خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) قومی زندگی کا سب سے بڑا روگ .... ہے۔

(ب) قوموں کی برادری میں منافقت اختیار کرنے والے .... ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(ج) جس کے ساتھ تمہیں واقعی .... ہو اسے یہ بات بتا دیا کرو۔

(د) دھوکہ دے کر ملاوٹ کرنے والا .... میں سے نہیں۔

(ہ) منافقت کرنے والا اللہ تعالیٰ .... کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔

6- درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:

(1) منافقت کسی قوم کی زندگی کا بہت بڑا ہے:

(الف) فخر (ب) روگ

(ج) اتحاد (د) نشان

(2) کسی ملک کی باگ ڈور ہوتی ہے اُس کے:

(الف) لیڈروں کے ہاتھ میں (ب) ڈاکٹروں کے ہاتھ میں

(ج) مزدوروں کے ہاتھ میں (د) طالب علموں کے ہاتھ میں

(3) دنیا میں آج کل کافی رواج ہے:

(الف) عبادت کا (ب) سماجی خدمت کا

(ج) رشوت کا (د) تجارت کا

(4) افراد کی منافقت معاشرے کو بھی پہنچاتی ہے:

(الف) تکلیف (ب) نقصان

(ج) طاقت (د) اتحاد

سرگرمی برائے طلبہ:

منافقت کے نقصانات پر کمرۂ جماعت میں ایک مذاکرہ کریں جس میں تمام طلبہ حصہ لیں۔

6- جہاد

جہاد کے لفظی معنی ہیں کسی کام کے لیے کوشش ومحنت کرنا اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے اپنی ساری طاقت لگا دینا۔ مسلمان کا یہ جہاد کسی اور مقصد کے لیے نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنے کی غرض سے ہوتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین پر پوری طرح عمل کرنے اور اسے دوسرے بندوں تک پہنچانے کے لیے وہ سب کچھ کر ڈالا جائے جو اِنسان کے بس میں ہے اور اپنی پوری قوتیں اس مقصد کے حصول میں لگا دی جائیں۔ جو شخص جہاد میں حصہ لیتا ہے اسے مجاہد کہتے ہیں۔

جہاد کی فرضیت

جہاد میں ایک مسلمان اپنا مال، اپنا وقت، اپنی صلاحیت اور بالآخر اپنی جان بھی دین کی حفاظت اور سَر بلندی کے لیے قربان کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ بظاہر یہ جہاد ایک ناگوار بات لگتی ہے لیکن یہ تم پر لازم قرار دے دی گئی ہے۔ (البقرۃ:216) نیز ارشاد فرمایا کہ پوری طرح اللہ کے دین اور اس کی فرمانبرداری کی راہ ہموار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ''فتنہ'' کی حالت ختم ہو جائے اور ''فتنہ'' کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں۔ لوگوں کو اسلام کی پیروی کا حق نہ دیا جائے اور انہیں اپنے حقیقی مالک کی بندگی سے روکا جائے۔ یہ ایسا ظلم ہے جس سے بڑا کوئی ظلم نہیں ہوسکتا۔ یہ قتل سے بھی بڑا ظلم ہے۔ کیونکہ قتل کے ذریعے سے تو انسان کو محض چند روزہ زندگی سے محروم کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی کو اطاعتِ الٰہی سے روکا جائے اور پروردگارِ حقیقی کا بندہ بننے کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی اصل زندگی تباہ کر دی گئی ہے اور اسے آخرت کی ہمیشہ کی زندگی کی بے پایاں نعمتوں سے محروم کر دیا گیا۔

جہاد کے مقاصد

مسلح جہاد کے سلسلے میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس کی اجازت ان دو مقاصد کے لیے دی گئی ہے:

(الف) اپنے دفاع اور حفاظت کے لیے یعنی جب کوئی دوسرا آپ پر حملہ کرے تو اپنے دین اور اسلامی ریاست کی حفاظت کے لیے ہتھیار اُٹھائے جائیں۔

(ب) فتنہ دفع کرنا یعنی جب اِنسان پر ظلم کیا جائے، اللہ کے بندوں کو اپنے بنائے ہوئے قوانین کی غلامی پر مجبور کیا جائے، بندوں تک اُن کے مالک حقیقی کا دین نہ پہنچنے دیا جائے اور دعوتِ دین کے قانونی راستے بند کر دیے جائیں تو برائی، زیادتی اور ''فتنے'' کو ختم کرنے کے لیے طاقت استعمال کی جائے۔ اسی طرح اگر کہیں مسلمانوں پر ظلم کیا جا رہا ہو تو انہیں ظالموں کے پنجے سے نجات دلانے کے لیے بھی جہاد ضروری ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے ''اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے کس مردوں، عورتوں اور بچوں کی حمایت میں نہیں

لڑتے جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور اپنے اللہ سے دعا کر رہے ہیں کہ ہمیں ظالموں کی اس بستی سے نکال! اور ہمارے لیے اپنے ہاں سے کوئی حامی اور مددگار بھیج۔

شہید کا مقام

جو شخص اسلام کے لیے، اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہوا جان دے دے اسے شہید کہتے ہیں۔ اور اسلام میں شہید کا درجہ اس قدر بلند ہے کہ اسے ''مردہ'' کہنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ فرمایا گیا کہ وہ زندہ ہے اور اپنے پروردگار کے پاس سے ''رزق'' پا رہا ہے۔ البتہ تمہیں اس کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔

جہاد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے مالی قربانی کی بھی ضرورت ہے۔ اسے اسلام نے مالی جہاد قرار دیا ہے۔ جو لوگ جہاد میں شامل ہونے کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر اللہ کی راہ میں نکلے ہوئے ہیں۔ اُن کے گھر والوں کی دیکھ بھال بھی ضروری ہے۔ کسی بھی مشکل وقت میں ان کی مدد کی جائے۔ ان کے مسائل حل کیے جائیں۔ اور ان کی جان، مال، عزّت اور جائداد کی حفاظت کی جائے۔

جو خوش نصیب مسلمان جہاد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کر لیں، اُن کے خاندان کی دیکھ بھال تمام مسلمانوں کی ذمّہ داری ہے۔ اُن کے گھر والوں کی کفالت، اُن کے کھانے پینے، لباس، علاج اور مکان کا بندوبست کیا جائے۔ اُن کے بچوں کی تعلیم، تربیت اور تمام تعلیمی ضروریات کا انتظام کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے اللہ کی راہ میں کسی مجاہد کو سامان بہم پہنچایا یا اس کے پیچھے اس کے گھر والوں کی اچھی طرح خبر گیری کی اس نے بھی جہاد میں حصہ لیا۔''

جہاد ایک دائمی عمل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔'' دُنیا کے مختلف حصوں میں آج بھی جہاد ہو رہا ہے۔ بے شمار مجاہدین اسلام آج بھی اپنے دین کی حفاظت، ظلم سے نجات، آزادی کے حصول اور اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کے لیے جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لے رہے ہیں۔

ہماری ذمّہ داریاں

اگرچہ ایک طالب علم کی حیثیت سے ہم جہاد میں عملاً شامل نہیں ہو سکتے لیکن جہاد کی تیاری کے سلسلے میں مالی امداد مہیا کر سکتے ہیں۔ مجاہدین، شہدا کے گھر والوں کی خدمت اور دیکھ بھال میں حصہ لے سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماں باپ کی خدمت کو بھی جہاد قرار دیا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی ترقی اور اسلام کی اشاعت کے لیے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر علم حاصل کریں تاکہ ہم اسلام کی سربلندی اور اشاعت میں عملی طور پر حصہ دار بن

سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن، سنت، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اپنی اسلامیات کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کریں اور ملک وملت کی عزّت وترقی کے لیے سائنسی علوم کا بھی زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں اور اس طرح اپنی علمی استعداد اور وسائل حیات میں اضافہ کریں۔ نیز جسمانی طور پر بھی اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ تندرست وتوانا بنائیں لیکن بنیادی مقصد محض اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کی بجائے ملک وملت کی خدمت ہونا چاہیے۔

مشق

-1 جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم بیان کریں۔

-2 مسلح جہاد کے مقاصد بیان کریں۔

-3 جو لوگ کسی وجہ سے خود مسلح جہاد میں شمولیت نہیں کر سکتے وہ جہاد اور مجاہدینِ اسلام کی خدمت کے سلسلے میں کیا خدمات سرانجام دے سکتے ہیں؟

-4 فتنہ کا مفہوم اور اُس کی حقیقت تفصیل سے بیان کریں۔

-5 خالی جگہ پُر کریں:

(ا) جہاد کے معنی ہیں کسی مقصد کے لیے اپنی پوری..................صرف کرنا۔

(ب) ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا کا.................. ہے۔

(ج) جو شخص جہاد میں حصہ لیتا ہے، اُسے..................کہتے ہیں۔

(د) جو شخص جہاد میں مارا جائے اسے..................کہتے ہیں۔

(ہ) جس نے مجاہد کے گھر والوں کی خبر گیری کی اس نے بھی..................میں حصہ لیا۔

(و) جہاد..................تک جاری رہے گا۔

(ز) شہید کو..................کہنے کی اجازت نہیں۔

-6 ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ کس طرح جہاد میں حصہ لے سکتے ہیں؟

سرگرمی برائے طلبہ:

دُنیا کے جن حصوں میں مسلمان آزادی اور حق خُود ارادیت کے حصول کے لیے جہاد کر رہے ہیں ان کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ جماعت کو گروپوں میں تقسیم کر کے ایک ایک گروپ ایک ایک ملک کی جدو جہد کا مطالعہ تیار کر کے سکول میگزین یا مناسب رسائل واخبارات میں اشاعت کے لیے بھجوائے۔

7-اتّحادِ ملی

اتّحادِ ملی سے مُراد ہے قوم کا عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر ایک ہو جانا۔ ملت اسلامیہ ایک امت ہے۔ اس کے عقائد و نظریات ایک ہیں۔ اس کے افراد دُنیا کے کسی کونے میں رہتے ہوں، آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہیں۔

عقائد و نظریات کے لحاظ سے اتحاد

ہمارا خالق و مالک ایک ہے۔ مسلمان ایک رسول کے بتائے ہوئے طریقے ہی کو اپنے لیے راہِ نجات سمجھتے ہیں۔ ہماری ہدایت و رہنمائی کا بنیادی سر چشمہ بھی ایک ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم۔ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، حساب کتاب منعقد ہونے اور جزا و سزا کے متعلق بھی ہم سب کا عقیدہ و نظریہ ایک ہے۔ اس نظریاتی یگانگت نے ہمیں اتحادِ ملی کے ایک مضبوط رشتے سے منسلک کر دیا ہے۔

عبادات کے لحاظ سے اتحاد

اسلام نے بندگی اور عبادات کے جو طریقے مقرر کیے ہیں وہ ہمارے اس اتحادِ ملی کے رشتے کو اور مضبوط بنا دیتے ہیں۔ ہماری سب سے اہم اور بنیادی عبادت نماز ہے۔ دُنیا کے ہر خطے کے لوگ اسے ایک ہی طرح سے ادا کرتے ہیں۔ نماز دِن میں پانچ مرتبہ اتحادِ ملی کے سبق کو ہمارے ذہن میں تازہ کرتی ہے۔ اس کے اوقات ایک ہیں۔ اذان بھی ایک ہے۔ یہ عبادت دُنیا بھر کے مسلمان ایک ہی مرکز خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کرتے ہیں۔ بغیر کسی امتیاز کے سب لوگ کندھے سے کندھا ملا کر ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ امام کی رہنمائی میں سب ایک طرح قیام کرتے ہیں اور ایک طرح رکوع و سجود کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ہمارے اتحادِ ملی کا ذریعہ بھی ہے اور اسے مضبوط بنانے کا وسیلہ بھی۔ روزے بھی اتحادِ ملی کو مضبوط و مستحکم کرتے ہیں۔ بھوک پیاس کا ذاتی تجربہ اپنے بھائیوں کی مدد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ ماہِ رمضان کے اختتام پر فطرانہ ملّت کے تمام افراد کے عید کی خوشیوں میں شامل ہونے کا وسیلہ بنتا ہے اور حج تو پوری دُنیا کے مسلمانوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر کے ایک بین الاقوامی اتحاد ملّی کا سبق دیتا ہے۔ نماز جمعہ ہفتے میں ایک دن محلّے کے مسلمانوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ملی اتحاد کا سبق دیتی ہے۔ نماز عید سال میں دو مرتبہ پورے شہر کے مسلمانوں کو شہر سے باہر ایک میدان میں جمع کر دیتی ہے۔ غرض ہم اسلامی عبادات کو جس پہلو سے بھی دیکھیں ملی اتحاد کا فروغ ان کا ایک اہم مقصد نظر آتا ہے۔

معاشرتی زندگی کے اُصول و قوانین کی یکسانیت

مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہ ہمارے ملی اتحاد کا عظیم الشان مظہر ہے۔ شادی بیاہ، جنازہ، تجہیز و تکفین، حقوق و فرائض، آداب و اطوار، رہن سہن، میل جول، خاندانی نظام کے سلسلے میں ہمدردی

اور تعاون کے لیے دین اسلام نے اُصول و قواعد مقرر کیے ہیں۔ اس طرح معاشرتی زندگی کے اُصول و تعلقات کی یکسانیت اس بات کی شاہد ہے کہ ہماری تہذیب و ثقافت ایک ہے۔

عملی زندگی کے دوسرے تمام اعمال میں یکسانیت

مسلمانوں کا بھلائی اور بُرائی کا معیار ایک ہے۔ ان کے سیاسی اور اقتصادی نظام کے اُصول ایک ہیں۔ اسلام نے چونکہ ہماری سوچ کا ایک یکساں انداز بنا دیا ہے اس لیے ہمارے تمام افعال و کردار میں یکسانیت ہے۔ اس نے ہمارے ملی اتحاد کو نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ اور قرآن کریم نے ہمیں واضح ہدایات دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام

اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (الانفال:46) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرادو۔ (الحجرات:9) اور حکم دیا اللہ کے بندو، بھائی بھائی بن جاؤ۔

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ (تفرقے میں نہ پڑو) اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دُشمن تھے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے (آل عمران:102)۔

قرآن میں باہمی ہمدردی کے بہت سے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ باہمی خیر خواہی کا اس حد تک جذبہ پیدا کیا گیا کہ اگر خود کچھ نہ کر سکتے ہو تو دوسروں کو اپنے مسلمان بھائی کی مدد کی ترغیب و توجہ ہی دلا دو۔ اگر اس کا بھی موقع نہ ملے تو اُن کے لیے دُعائے خیر ہی کر دو۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم دُعا کریں (اے اللہ) ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کینہ اور عداوت نہ پیدا ہونے دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات

تم مسلمانوں کو باہمی رحم، محبت اور شفقت کرنے میں جسمِ واحد کی طرح دیکھو گے کہ اگر اس کے ایک عضو میں تکلیف ہو جائے تو بدن کے سارے اعضا بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مسلمان ایک دوسرے کو اس طرح مضبوط کرتے ہیں جس طرح دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے واضح کرنے کے لیے ایک ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں داخل کر کے دکھائیں۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے نہ کسی دوسرے کو اس پر ظلم کرنے دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔تین دِن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے قطع تعلق رکھنا حرام قرار دیا۔مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی میں رہیں۔

ہماری قوت اور ترقی وخوشحالی کا دارومدار کلیتاً ہمارے اتحاد ملی پر ہے۔اس لیے ان اسلامی تعلیمات کو ذہن نشین کر لیں اور کسی ایسی بات یا نعرے کا ساتھ نہ دیں جو اتحاد ملی کو پارہ پارہ کرنے کا موجب بنے اور ہمیں گمراہ کر کے اپنے بھائیوں سے متنفر کردے۔ یا اپنے بھائیوں سے تعصب کی تعلیم دے۔ ہمارے دین کی تعلیم بھی یہی ہے اور ہماری قوت کا راز بھی یہی ہے۔

مشق

1- عقائد ونظریات میں یگانگت ہمارے ملی اتحاد کی مضبوط بنیاد ہے۔وضاحت کریں۔

2- اسلامی عبادات کی ہم آہنگی ہمارے ملی اتحاد کا ذریعہ ہے۔تفصیل سے بیان کریں۔

3- معاشرتی زندگی کے اُصول وقوانین میں وہ کون سی یکساں باتیں ہیں جو ہمارے اتحاد ملی کو طاقتور بناتی ہیں؟

4- ملی اتحاد مضبوط کرنے کے سلسلے میں چند قرآنی تعلیمات بیان کریں۔

5- رسول اللہ ﷺ نے ہمارے اتحادِ ملی کو مستحکم کرنے کے لیے کیا ہدایات ارشاد فرمائیں؟

6- خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) تین دِن سے زیادہ اپنے بھائی سے قطع تعلق.................. ہے۔

(ب) وہ مسلمان نہیں جس کی زبان اور............ سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ ہوں۔

(ج) اللہ کے بندو.................بن جاؤ۔

(د) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں.................کرادو۔

(ہ) مسلمان آپس میں جھگڑا کریں تو.................. پڑ جائیں گے۔

سرگرمی برائے طلبہ:

اپنے اساتذہ کرام کی سرپرستی میں ''اتحادِ ملی'' کے لئے خدمات سرانجام دینے والے مسلمان رہنماؤں کے کارنامے معلوم کر کے اُن کا مذاکرہ کریں۔

8- کسبِ حلال

کسبِ حلال کا معنی ہے "حلال کمانا" اس سے مراد یہ ہے کہ روزی کمانے کے لیے ایسے طریقے استعمال کرنا جن کو شریعتِ اسلامی نے جائز قرار دیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر انسان اس زمین پر اپنی ضرورتیں لے کر پیدا ہوا ہے۔ اسے کھانے کے لیے غذا، پینے کے لیے پانی، پہننے کے لیے لباس، گرمی، سردی، بارش اور طوفان سے بچنے کے لیے گھر چاہیے۔ یہ انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ اس کے زندہ رہنے کا دارومدار ان ضرورتوں کے پورا ہونے پر ہے۔

خالقِ کائنات نے تمام بنیادی ضرورتیں اور سہولتیں اس زمین میں پیدا کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ہم نے تمہارے لیے اس زمین میں وسائل پیدا کر دیئے ہیں اور ان کے لیے بھی جن کو تم رزق نہیں پہنچاتے۔" (الحجر:20)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر شخص خود محنت اور جدوجہد کر کے ان وسائل کو حاصل کرے پھر ان سے اپنی ضروریات اور جائز خواہشات کی تکمیل کرے۔ اس جدوجہد اور محنت کے لیے دینِ اسلام نے کچھ اصول بتائے ہیں۔ ان اصولوں کے مطابق کمائی کے بعض طریقوں کو اس نے جائز قرار دیا ہے اور بعض طریقوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کمائی کا وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جس کی اسلام نے اجازت دی ہو۔ جن کاموں سے دین کی خدمت ہو، مخلوقِ خدا کو فائدہ ہو اور وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہوں وہ جائز ہیں مثلاً تجارت، ملازمت، زراعت، مزدوری اور دست کاری وغیرہ۔ اِن کے برعکس وہ تمام کام جن سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو یا وہ مخلوقِ خدا کی پریشانی و تکلیف کا باعث ہوں وہ ناجائز ہیں۔ جیسے شراب اور سؤر کی تجارت، سودی لین دین، رشوت خوری، چوری، ڈکیتی، دھوکہ وفریب کے ذریعے مال حاصل کرنا، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، جوا، منشیات کی خرید وفروخت اور اسمگلنگ وغیرہ۔

کسبِ حلال کی اہمیت وفضیلت

اسلام نے کسبِ حلال کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ حلال روزی کمانا عبادت ہے مگر اس کے عبادت ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسری تمام عبادات مثلاً نماز اور روزہ وغیرہ کو کاروبار اور ملازمت کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے کسبِ حلال کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ارشاد فرمایا "حلال روزی فرض (یعنی نماز اور روزہ وغیرہ) کے بعد ایک فرض ہے"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے اہل وعیال کے لیے حلال رزق تلاش کرو، یہ بھی جہاد فی سبیل اللہ ہے"۔ اسی طرح فرمایا کہ "ہاتھ کی کمائی سے بہتر اور کوئی کھانا نہیں"۔ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے اُسے کلہاڑی دے کر حکم فرمایا کہ جاؤ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور انہیں فروخت کر کے اپنا رزق کماؤ۔

کسبِ حلال کے فوائد

☆ حلال کمائی نیک کاموں کے لیے مددگار ہے اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتی ہے۔☆ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بخشش کا ذریعہ ہے۔☆ حلال رزق سے حکمت اور دانش مندی حاصل ہوتی ہے۔☆ کسبِ حلال سے دلی سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔☆ حلال کمانے والے کو لوگ عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔☆ حلال رزق سے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

حرام کمائی کے نقصانات

حرام کمائی سے مال میں برکت نہیں ہوتی۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ کوئی شخص کپڑا خریدے جس کی قیمت میں ایک تھوڑا سا حصہ حرام آمدنی کا بھی ہو، تو اس وقت تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بدن کا گوشت جو حرام سے پیدا ہو اس کا آگ میں جلنا بہتر ہے۔اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس بدن نے حرام مال سے پرورش پائی ہو وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ہمیں چاہیے کہ ہم خود بھی حلال رزق کمائیں اور کھائیں اور دوسروں کو بھی حلال کمانے اور حلال کھانے کی تلقین کریں تا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ سکیں اور حلال رزق کی برکات حاصل کر سکیں۔

مشق

1- تفصیلی جواب لکھیں:

(ا) کسبِ حلال سے کیا مراد ہے؟ (ب) روزی کمانے کے چند حلال طریقے بیان کریں۔ (ج) اسلام نے کن چیزوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے؟ (د) کسبِ حلال کی فضیلت کے بارے میں کسی ایک حدیث کا ترجمہ تحریر کریں۔ (ہ) کسبِ حلال کے فوائد بیان کریں۔

2- مختصر جواب دیں: (ا) انسان کی بنیادی ضرورتیں کون سی ہیں؟

(ب) اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے رزق کا انتظام کس چیز کے ذریعے کیا ہے؟ (ج) اپنے اہل وعیال کے لیے حلال رزق کمانا کیا کہلاتا ہے؟ (د) کسبِ حرام کا کیا نقصان ہے؟ (ہ) حرام کمانے والے کو کس عذاب کی وعید سنائی گئی ہے؟

3- خالی جگہ پُر کریں:

(ا) حلال روزی کمانا۔۔۔۔۔ہے۔ (ب) اپنے اہل وعیال کے لیے۔۔۔۔رزق تلاش کرو۔ (ج) عظمت۔۔۔۔میں ہے۔ (د) حلال رزق سے۔۔۔۔۔حاصل ہوتی ہے۔ (ہ) حرام کھانے سے۔۔۔۔قبول نہیں ہوتی۔

سرگرمی برائے طلبہ

کمائی کے حلال طریقوں کا ایک چارٹ تیار کر کے طلبہ کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

9- نظم وضبط اور قانون کا احترام

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی نہ کسی ضابطے کے تحت بنایا ہے اور وہ چیز اُسی ضابطے اور نظم کے مطابق چل رہی ہے۔ سورج اپنے وقت پر مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوجاتا ہے۔ چاند کی جو منزلیں مقرر ہیں اُس سے وہ ذرا بھی انحراف نہیں کرتا دن اور رات بھی اپنے اپنے وقت میں رونما ہوتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے جسم کے اندر جو اعضاء بنائے گئے ہیں اور اُن کو جو کام سونپا گیا ہے وہ اُن تمام کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو وہ اپنی ہی بدنظمی اور بے ضابطگی کی وجہ سے بیمار ہوتا ہے اس کائنات میں جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا حشرات تمام کسی نہ کسی قانون کے پابند ہیں۔ ساری کائنات قانون الٰہی کی پابند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں اس بارے میں ارشاد ہے:

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسٓ:40)

ترجمہ: نہ تو سورج ہی سے یہ ہوسکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔

مگر انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اُسے کچھ اختیارات دیئے ہیں ان اختیارات کو وہ غلط استعمال کر کے اللہ کے دیئے ہوئے قانون کو توڑتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ خود بھی مشکلات کا شکار ہوتا ہے اور معاشرے کے دیگر افراد بھی اُس کی وجہ سے مصیبت اور تنگی محسوس کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بعض ایسے حشرات ہیں کہ جن کے اندر بے حد نظم وضبط پایا جاتا ہے جیسے چیونٹی، جب وہ کہیں اکٹھی چل رہی ہوتی ہیں تو قطار میں چلتی ہیں اسی طرح بعض پرندوں میں بھی ہمیں نظم وضبط نظر آتا ہے۔ ان سب کو دیکھ کر ہم بھی نظم وضبط کا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلام نے عبادات کا نظام دیا ہے اس میں بھی وقت کی پابندی اور نظم وضبط پایا جاتا ہے۔ جیسے نماز کے اوقات مقرر ہونا، ایک ہی صف میں سب لوگوں کا برابر کھڑے ہونا، روزہ وقت پر رکھنا اور وقت پر افطار کرنا، حج کے موقع پر سب لوگوں کا ایک ہی لباس (احرام) میں ہونا اور ایامِ حج کا مقرر ہونا، یہ سب اعمال ہمیں نظم وضبط اور قانون کے احترام کی تعلیم دیتے ہیں۔

قانون لوگوں کی سہولت اور معاشرے میں امن وامان قائم رکھنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اگر کائنات قانونِ قدرت کے خلاف چلنا شروع کر دے تو یہ بہت جلد ختم ہوجائے گی۔ اسی طرح اگر معاشرے کے افراد قانون کو توڑنا شروع کردیں اور قانون کی خلاف ورزی کو فخر سمجھنے لگیں تو معاشرہ بہت جلد تباہی کے دھانے پر جا پہنچے گا۔ قانون کی پاسداری کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس سے کسی شخص کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ضروری ہے کہ قانون کا احترام کیا جائے تا کہ تمام لوگوں کو یکساں حقوق فراہم ہوں اور کسی شخص کے حقوق تلف نہ ہوں۔

ملکی قوانین کا احترام کرنا بھی نہایت ضروری امر ہے۔ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی اکثر حادثات کا سبب بنتی ہے۔راستے میں رکاوٹیں پیدا کر دینا،شور اور دھویں والی گاڑیاں چلانا،مساجد،ہسپتال اور سکول و مدارس کے قریب ہارن بجانا اور اس طرح کے دیگر کام جن سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہو ان سے بچنا ضروری ہے۔قانون ہمارے اجتماعی فائدے اور معاشرے میں نظم وضبط قائم کرنے کے لیے ہوتا ہے اگر اس کو توڑا جائے گا تو بدامنی اور بدنظمی پیدا ہوگی جس کا نقصان ہم سب لوگوں کو اُٹھانا پڑے گا۔

قانون کے احترام کے فوائد: قانون کا احترام کرنے سے معاشرے میں نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔معاشرے کے تمام افراد کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے حقوق سلب نہیں کر سکتا۔معاشرے میں سلامتی اور امن وامان قائم ہو جاتا ہے۔معاشرے میں مساوات اور برابری پیدا ہوتی ہے۔جرائم اور مجرمانہ سرگرمیوں کی روک تھام ہوتی ہے۔

مشق

1- تفصیلی جواب لکھیں: (ا) کیا کائنات کسی قانون کے تحت پیدا کی گئی ہے۔وضاحت کریں؟
(ب) قانون کا احترام کرنے کے کیا فوائد ہیں؟ (ج) قانون کو توڑنے کے کیا کیا نقصانات ہیں؟
(د) ملکی قوانین کا احترام کیوں ضروری ہے؟ (ہ) قانون کا یکساں نفاذ کیوں ضروری ہے؟

2۔مختصر جواب دیں: (ا) اوقاتِ نماز سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ (ب) قوانین کیوں بنائے جاتے ہیں؟
(ج) بدامنی اور بدنظمی پیدا ہونے کی کیا وجہ ہے؟ (د) قانون کی خلاف ورزی کرنے سے کیا ہوتا ہے؟
(ہ) لوگوں کے حقوق کا تحفظ کس طرح ممکن ہے؟

3- خالی جگہ پُر کریں: (ا) اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی نہ کسی ۔۔۔۔کے تحت پیدا کیا ہے۔(ب) انسان اور حیوان میں بنیادی فرق ۔۔۔۔کا ہے۔ (ج) ہر چیز اپنے ۔۔۔۔میں تیر رہی ہے۔ (د) قانون کی پابندی کرنے سے کسی شخص کی ۔۔۔۔کا امکان نہیں ہوتا۔ (ہ) قانون کا احترام سب لوگوں کے لیے ۔۔۔۔ضروری ہے۔

4- درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔
(1) کائنات کی ہر چیز کسی نہ کسی کے تحت پیدا کی گئی ہے۔ (ا) قانون (ب) مقصد (ج) مسئلے (د) بادشاہ
(2) قانون کا احترام کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ (ا) امن وامان (ب) حرص (ج) فساد (د) ظلم
(3) اکثر حادثات کا سبب بنتی ہے،ٹریفک قوانین کی۔ (ا) پابندی (ب) تنفیذ (ج) خلاف ورزی (د) سختی
(4) قانون ہوتے ہیں ہمارے۔ (ا) اجتماعی فائدے کیلئے (ب) ملک کیلئے (ج) اجتماعی نقصان کیلئے (د) غریبوں کیلئے
(5) معاشرے میں مساوات پیدا ہوتی ہے۔(ا) بدنظمی سے (ب) علم سے (ج) جہالت سے (د) قانون کی پابندی سے

باب پنجم

ہدایت کے سرچشمے

1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں اللہ کے آخری رسول تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام مریم تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اللہ کے حکم سے بغیر باپ کے معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔ ان کی والدہ بنی اسرائیل کی نسل سے تھیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ ان کی بغیر باپ کے پیدائش پر بنی اسرائیل نے ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام پر بدچلنی کا الزام لگایا تو انہوں نے ماں کی گود ہی سے ایسی عمر میں کلام کیا جس عمر میں بچے کلام کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور اپنی ماں کی پاک دامنی ثابت کردی۔

معجزات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قریباً تیس سال کی عمر میں نبی کی حیثیت سے دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کرنا شروع کر دیا۔ یہود کو بے روح مذہبیت کی بجائے اللہ کی محبت، انسانی ہمدردی، حاجت مندوں کی امداد اور توحید خالص کی تلقین کی۔ لیکن یہود نے ان کی دعوت قبول کرنے کی بجائے ان کی مخالفت شروع کر دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے۔ اس زمانے میں طب یونانی اپنے عروج پر تھی۔ جن بیماریوں کو ماہر یونانی طبیب بھی لا علاج قرار دے چکے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نام سے انہیں ٹھیک کر دیتے۔ پیدائشی نابینا دیکھنے لگتے۔ کوڑھی اسی وقت تندرست ہو جاتے۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مُردوں کو بھی زندہ کر دیتے۔ مٹی سے پرندے کی مورت بناتے اور اس میں اللہ کا نام لے کر پھونک مارتے تو وہ سچ مچ اُڑنے لگتا۔ جھیلوں اور دریاؤں کو پیدل چل کر عبور کر لیتے۔ ایک دو آدمی کے کھانے سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر دیتے غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام تبلیغ بھی کرتے جاتے اور بیماروں اور آسیب زدہ لوگوں کو ٹھیک بھی کرتے جاتے۔

دعوت و تبلیغ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک درویش مزاج، ہمدرد اور نرم دل اِنسان تھے۔ وہ یہود کو کمزوروں سے نفرت، تکبر، سنگدلی اور سختی کی بجائے مذہب کی روح کو سمجھنے اور اس کے مطابق نرمی اختیار کرنے کی دعوت دیتے۔ لیکن یہودیوں نے ان کی

دعوت کونہایت غرور اور حقارت سے رد کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلم چھوڑا اور جھیل کے کنارے غریبوں، مچھیروں، دھوبیوں اور مزدوروں میں تبلیغ دین کا کام شروع کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں جاتے، بیماروں اور دُکھی انسانوں کی بھیڑ اِن کے گرد جمع ہو جاتی۔ وہ ان کی جسمانی بیماریوں کو بھی ٹھیک کرتے اور انہیں حقیقی دین کی دعوت بھی دیتے۔ اس طرح اُن کی دعوت بڑی تیزی سے فلسطین کے علاقے میں پھیلنے لگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے قریباً ساڑھے پانچ سو سال پہلے تبلیغ کا آغاز فرمایا اور انہیں بہت تھوڑا عرصہ (قریباً تین سال) تک دعوت و تبلیغ کا موقعہ ملا۔

یہود کی سازش

یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مقبولیت سے گھبرا گئے۔ انہیں اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کی مذہبی سرداری اور اجارہ داری ختم کر دیں گے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ختم کرنے کی سازش شروع کر دی۔ یہودی فلسطین کے رومی گورنر کے پاس مقدمہ لے کر گئے کہ اِس (عیسیٰ علیہ السلام) نے ہمارا دین بگاڑنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے جوانوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ ہمارے درمیان اختلافات کھڑے کر دیے ہیں اور ہمارے اندر فتنہ برپا کر دیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اسرائیل کا بادشاہ کہتا ہے۔ وہ قانون اور حکام کا احترام نہیں کرتا۔ وہ ایک انقلابی شخص ہے اور وہ حکومت کے لیے بھی ایک بہت بڑا خطرہ بن گیا ہے۔

سزائے موت اور آسمان پر اُٹھایا جانا

رومی گورنر یہودیوں کی مکاری کو سمجھتا تھا اور اس معاملے میں خود کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے یہودی علماء سے خود ہی فیصلہ کرنے کو کہا۔ انہوں نے آپؑ کو سولی پر چڑھانے کی سفارش کی۔ گورنر نے بے دلی سے یہ حکم صادر کر دیا۔ یہودی خوش ہو گئے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بہت بدتمیزیاں کیں۔ اور انہیں بہت اذیتیں پہنچائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرد آپ کے پیروکاروں اور دشمن یہودیوں کا ہجوم تھا۔ انہی میں آپ کا وہ حواری یہودا بھی تھا جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخبری کر کے آپ کو گرفتار کرایا تھا۔ اس بھیڑ بھاڑ اور ہنگامے میں کسی کو کچھ پتہ نہ لگ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ رومی گورنر کے سپاہیوں کو اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس ہنگامے میں کچھ ایسی صورت حال بنی کہ لوگوں نے کسی شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ لیا اور اس کو پکڑ کر سولی پر لٹکا دیا۔ اسی دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان پر اُٹھا لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخر الزمان کی بشارت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔انہوں نے اپنے حواریوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا اعلان بڑے واضح الفاظ میں فرما دیا تھا۔اور ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں آج بھی انجیلوں میں موجود ہیں۔بالخصوص انجیل یوحنا میں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق نہایت واضح بشارتیں دی گئی ہیں اور اس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دُنیا کا سردار (سرورِ عالم) اور ہمیشہ تک ساتھ رہنے والا (آخری نبی) کہا گیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مختصر حالات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اِنسان کے دل میں بنی نوع اِنسان کے لیے ہمدردی کا جذبہ ہونا چاہیے۔اِنسان کو دکھی انسانیت کی خدمت کرنی چاہیے۔حق کا پیغام پھیلانا چاہیے اور ثابت قدمی سے سختیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انسان کی مدد فرماتا ہے ایسے انسان کو اپنے دُنیاوی مقاصد میں کامیابی نصیب ہوتی ہے اور وہ آخرت میں سرخرو اور کامران ہوتا ہے۔

مشق

1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی معجزانہ پیدائش کے سلسلے میں یہود کے الزام کو کس طرح ردّ کیا؟
2- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین معجزات بیان کریں۔
3- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کے رویے کی تفصیل بیان کریں۔
4- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرانے کے لیے یہود نے کس طرح مقدمہ قائم کر کے فیصلہ حاصل کیا؟
5- خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر.................. معجزانہ طور پر پیدا ہوئے۔
(ب) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام .... تھا۔
(ج) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے .... میں کلام کر کے والدہ کی پاکدامنی ثابت کی۔
(د) یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی .... شروع کر دی۔
(ہ) یہودیوں نے .... گورنر کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔

2- حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

ابتدائی تعارف

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سب سے محبوب صاحبزادی ہیں۔ آپؓ کا لقب زہرا ہے۔ آپؓ بعثتِ نبوی سے پانچ برس قبل پیدا ہوئیں۔ آپؓ کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے والی سب سے پہلی خاتون تھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا "جنتی خواتین میں سے افضل ترین خدیجہ، فاطمہ، مریم اور آسیہ ہیں۔" ایک اور حدیث میں آپؓ کو "سَيِّدَةُ النِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ" فرمایا گیا ہے جس کا مطلب ہے "تمام جنتی عورتوں کی سردار"۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کم عمری سے ہی نہایت زیرک اور حق پرست تھیں۔ مکی دور کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کعبہ کے قریب نماز ادا کرنے میں مصروف تھے کہ کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذا پہنچانے کا منصوبہ بنایا۔ "عقبہ بن معیط" نامی سردار جو دیگر سرداران قریش کے ساتھ وہاں موجود تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نماز ادا کرتے دیکھ رہا تھا، وہاں سے اٹھا اور ایک اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لایا۔ اونٹ کی وزنی اوجھڑی اس نے سجدے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پشت مبارک پر رکھ دی۔ اس دوران کسی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی خبر کر دی۔ یہ سُن کر آپؓ خانہ کعبہ پہنچیں اور روتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے اپنے والد کی پشت سے وہ اوجھڑی ہٹائی اور قریش کے ان سرداروں کے لیے بددعا فرمائی۔

نبوت کے ابتدائی زمانے کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک گستاخ کافر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سرِ اقدس پر مٹی ڈال دی اور اپنے خُبثِ باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھاگ نکلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی حالت میں گھر واپس آ گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حالت دیکھی تو رونے لگیں۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سر دھوتی جاتیں اور فرطِ غم سے روتی جاتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں تسلی دی اور فرمایا: "بیٹا! صبر کرو۔ اللہ رحمٰن و رحیم تمہارے باپ کا حامی و مددگار ہے۔ وہ تمہارے والد کو قریش کی دست درازیوں اور ایذا رسانیوں سے محفوظ رکھے گا۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے اور انہوں نے بارگاہِ رسالت میں ہی پرورش پائی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے پیغامِ نکاح پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر قبول فرما لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ بیچ کر مہر ادا کیا۔ نیز شادی کے سامان اور گھر کی ضروری اشیا کا انتظام کیا۔ غرض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح انتہائی سادگی سے انجام پایا۔ آپؐ نے اس موقع پر خصوصی طور پر اُن کے لیے دعا فرمائی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا طرزِ زندگی:

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت سادہ اور پُرمشقت زندگی بسر فرمائی۔ سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا گھر کے تمام کام

خود سرانجام دیتیں یہاں تک کہ چکی بھی خود پیستیں جس کی وجہ سے آپؓ کے ہاتھوں میں آبلے پڑ جاتے تھے۔ گھریلو ذمہ داریوں میں مدد کے لیے آپؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک لونڈی کا مطالبہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''بیٹی! میں تمہیں ایک ایسی بات نہ بتادوں جو لونڈی اور غلام سے بہتر ہو؟'' آپؓ بولیں ''میرے پیارے ابا جان! فرمایئے وہ کیا بات ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی کہ جب رات کو آرام کرنے لگو تو 33 بار سبحان اللہ، 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ لونڈی یا غلام سے بہتر ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اصرار کرنے کی بجائے انتہائی سعادت مندی سے فرمایا ''میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا پر راضی ہوں۔'' تسبیح کے یہ کلمات ''تسبیحاتِ فاطمہ'' کے نام سے معروف ہیں۔

اپنی محبوب ترین بیٹی کے لیے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال و دولت یا آسائشات کو پسند نہیں فرمایا۔ گویا حقیقی محبت کا پیمانہ یہ نہیں کہ جس سے محبت ہو اس کے قدموں میں تمام دنیاوی نعمتیں ڈھیر کر دی جائیں بلکہ محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب ہستی کی آخرت سنوارنے کے لیے حتی المقدور کوشش کی جائے۔ آپؓ عادات و اطوار اور حلیہ میں اپنے محترم والد سے مشابہت رکھتی تھیں، نیز بے حد سخی اور فیاض تھیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خصوصی محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ اپنے والدِ محترم کو دیکھتے ہی احتراماً کھڑی ہو جاتیں۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر تشریف لے جاتیں تو آپؐ بھی کھڑے ہو کر شفقت کا اظہار کرتے ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی تمام اولاد سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ، يُؤْذِيْنِيْ مَآ اٰذَاهَا، وَيُرِيْبُنِيْ مَآ اَرَابَهَا'' ترجمہ: ''فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے اذیت دے اس سے مجھے اذیت ہوتی ہے اور جو بات اسے پریشان کرے وہ مجھے بھی پریشان کرتی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت کے دوران ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے پاس بٹھا کر سرگوشی میں کچھ فرمایا جسے سن کر وہ رونے لگیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ ان سے آہستہ آواز میں کچھ فرمایا جسے سن کر وہ مسکرانے لگیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دریافت فرمانے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''اے فاطمہ! میرے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے اور میرے گھر والوں میں سے تم سب سے پہلے مجھ سے ملو گی اور میں تمہارے لیے کتنا بہترین پیش رو ہوں۔'' اس پر میں رو پڑی تو آپؐ نے فرمایا: ''اے فاطمہ! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار بنو؟'' اس بات پر میں ہنس پڑی۔

سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی اولاد

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما جیسے بے مثال بیٹے عطا فرمائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: ''جس نے حسن اور حسین سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بُغض رکھا اس نے مجھ سے بُغض رکھا۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹیاں حضرت زینب اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہما بھی عطا فرمائیں۔

سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی مثالی حیا:

حیا ایمان کا لازمی جزو ہے۔ خصوصاً ایک مسلمان عورت کا تو زیور ہی حیا ہے۔ سیدۃ النساءؓ میں ایمان کا یہ حصہ بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپؓ حد درجہ حیادار اور گوشہ نشین خاتون تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورت کی بہترین صفت کے بارے میں پوچھا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ جواب دیا ''عورت کی سب سے اعلیٰ وارفع خوبی یہ ہے کہ نہ وہ کسی غیر مرد کو دیکھے اور نہ کوئی غیر مرد اسے دیکھے۔'' آپؓ نے وفات سے پہلے اپنی تدفین کے بارے میں جو ہدایات فرمائیں ان میں پردے کا خیال رکھنے کے بارے میں باتیں بھی تھیں۔ حیا کا اس سے اعلیٰ درجہ کیا ہوسکتا ہے کہ انسان موت کے بعد بھی اپنے پردے کے خیال سے غافل نہ ہو؟

وفات اور تدفین

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت کے گیارھویں سال ماہ رمضان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے چھے ماہ بعد ہوئی۔ آپؓ کا انتقال رات کے وقت ہوا اور اُن کی وصیت کے مطابق انہیں رات کے وقت ہی دفن کیا گیا۔

مشق

1- مندرجہ ذیل سوالات کے جامع جواب دیجیئے:

(ا) حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سیرت پر نوٹ قلمبند کیجئے۔

(ب) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا طرز زندگی کیسا تھا؟

(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قلبی تعلق بیان کرتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کیجئے۔

2- مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں:

(ا) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث لکھیے۔

(ب) لونڈی طلب کرنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا نصیحت فرمائی؟

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے وصال سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سرگوشی میں کیا گفتگو فرمائی تھی؟

(د) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لقب کیا تھا؟
(ہ) ''تسبیحاتِ فاطمہ'' سے کیا مراد ہے؟

3- مناسب الفاظ کے ساتھ خالی جگہیں پر کیجئے:
(أ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی........... صاحبزادی ہیں۔
(ب) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا طرزِ زندگی .... تھا۔
(ج) دورانِ نماز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر پر اونٹ کی اوجھڑی......................... نے رکھی۔
(د) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بے مثال بیٹوں کے نام...................... ہیں۔
(ہ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے........... ماہ بعد ہوا۔

4- مندرجہ ذیل جملوں میں سے صحیح کے سامنے (صحیح) اور غلط کے سامنے (غلط) لکھیے۔
(أ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے انتہائی پر مشقت اور سادہ زندگی بسر کی۔
(ب) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال بیٹے عطا فرمائے۔
(ج) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال صبح کے وقت ہوا۔

5- دیے گئے جوابات میں سے صحیح کا انتخاب کیجئے:
(1) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں:
(أ) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (ب) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا
(ج) حضرت زینب رضی اللہ عنہا (د) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا
(2) ''تسبیحاتِ فاطمہ'' میں سبحان اللہ کے کلمات پڑھے جاتے ہیں:
(أ) 30 مرتبہ (ب) 33 مرتبہ (ج) 31 مرتبہ (د) 32 مرتبہ
(3) جنتی خواتین کی سردار ہیں:
(أ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (ب) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا
(ج) حضرت مریم علیہا السلام (د) حضرت آسیہ علیہا السلام
(4) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا:
(أ) ماہِ شوال میں (ب) ماہِ رمضان میں (ج) ماہِ رجب میں (د) ماہِ محرم میں
(5) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی:
(أ) لونڈی (ب) دولت (ج) زمین (د) ذکرِ الٰہی کی ترغیب

سرگرمی برائے طلبہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت کے بارے میں ایک مختصر تقریر صبح اسمبلی میں پیش کریں۔

3- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ دربارِ نبوت کے ایسے چمکدار ستارے ہیں جن کی روشنی منزلِ وفا کے مسافروں کے دلوں میں امید و ہدایت کے چراغ روشن رکھے گی۔ ان کی زندگی تلاشِ حق کی ایک مسلسل داستان اور ان کی جستجوئے حقیقت کی انتھک کوشش روشنی کی طرف ایک لازوال سفر ہے۔

سلمان بن اسلام

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خاندانی اعتبار سے کوئی معمولی اِنسان نہ تھے۔ ان کے والد اپنے علاقے کے رئیس تھے۔ لیکن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندانی مرتبے پر کبھی فخر نہیں کیا۔ کوئی آپ کے آباؤ اجداد اور خاندان کے متعلق سوال کرتا ہے تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کیا خوب جواب دیتے ہیں۔ میری شناخت بس اسلام ہے اور میں صرف اسلام کا فرزند ہوں۔ نہیں، بلکہ میں تو نسل ہا نسل سے اسلام کا بیٹا ہوں۔ سلمان، ابن اسلام، ابن اسلام، ابن اسلام، ابن اسلام۔۔۔۔۔ اقبالؒ نے مسلمان کے متعلق کہا تھا ''اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے!''

اور سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ اور پھر خوش نصیبی دیکھیے اس وطن و نسل سے بے نیاز پردیسی کی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکار اُٹھتے ہیں۔ ''سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ سلمان میرے گھر کا ایک فرد ہے، سلمان میرے گھر والوں میں سے ایک ہے، سلمان میرا ہے''۔ کون ہے جو خوش نصیبی میں اس غریب الدّیار یعنی پردیسی کا مقابلہ کر سکے!

خاندانی پس منظر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں کے گھر میں آنکھ کھولی۔ آتش پرستی میں خوب محنت اور غور و فکر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ خاص اس آتش کدے کے نگران اور انچارج مقرر ہوئے جس میں کبھی آگ نہ بجھتی تھی اور اس آگ کی پوجا ہوتی تھی۔ ان کے والد کی بہت بڑی جاگیر تھی۔ جس میں بے حساب اجناس کی پیداوار ہوتی تھی۔

سچائی کی تلاش اور آزمائش

ایک مرتبہ اُن کے والد کو کسی دوسرے گاؤں میں جانا پڑا اور وہ زمینوں کی دیکھ بھال سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سپرد کر گئے۔ راستے میں عیسائیوں کا ایک گرجا پڑتا تھا۔ جہاں سے ان کی دعا و عبادت کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے۔ دِن بھر اُن کی عبادت دیکھتے اور اس پر غور کرتے رہے۔ اس کا اپنی عبادت سے موازنہ کیا۔ ''بخدا یہ طریقہ تو ہمارے دین سے بہتر ہے۔'' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رات کو گھر لوٹے تو والد بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ والد نے کہا بیٹے، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں۔ تیرا دین اس سے بہتر ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں، ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں بیٹا اپنے

دین سے منحرف نہ ہوجائے۔اس نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو گھر میں قید کر دیا۔

شام کا سفر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو عیسائیوں سے معلوم ہو چکا تھا کہ اُن کا دینی مرکز ملک شام میں ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کو پیغام بھجوایا کہ اگر تمہارے پاس شام جانے والا کوئی قافلہ آئے تو مجھے اطلاع کرا دینا۔تھوڑے ہی دِن بعد شام جانے والا ایک قافلہ آ گیا۔ انہوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خبر دی۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چھپتے چھپاتے اُن کے ساتھ شام جا پہنچے۔ وہاں جا کر پوچھا اس دین میں سب سے بڑا آدمی کون ہوتا ہے؟ جواب ملا کہ کلیسا (گرجا) کا نگران اعلیٰ اسقف یا بشپ ہوتا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ مجھے نصرانیت سے دلچسپی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کروں اور آپ کے ساتھ دعا میں شمولیت کروں۔ اُس نے اجازت دے دی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کی خدمت میں رہنے لگے۔لیکن انہیں جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ ایک غلط کار شخص تھا۔لوگوں سے دین کے نام پر رقم بٹورتا اور اسے نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتا اور نہ کسی فقیر درویش کو دیتا۔ بلکہ اس نے ایک بہت بڑا خزانہ جمع کر لیا تھا۔ وہ مر گیا تو عیسائی اسے دفن کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انہیں سب کچھ بتا دیا اور اس کا خزانہ بھی انہیں دکھا دیا۔انہوں نے کہا ہم اسے دفن نہ کریں گے بلکہ اسے سولی چڑھا کر سنگسار کر دیں گے۔

نیک خو راہب کا مشورہ

اس کے بعد وہاں ایک نہایت پرہیز گار پادری مقرر کیا گیا۔ جو دِن رات عبادت میں مصروف رہتا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مدت تک اس کی خدمت میں رہے۔ جب اس کی موت کا وقت آ پہنچا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ اب میں کس کی خدمت میں حاضر ہوں۔ قرآن کریم میں ہے کہ ''جو لوگ ہمارے راستے کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں، ہم اُن کو اپنی راہوں کی راہنمائی کر دیا کرتے ہیں۔'' (العنکبوت:69)

چنانچہ اس راہب نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو موصل کے ایک بزرگ کا پتہ دیا۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس کی خدمت میں پہنچ کر تعلیم و تربیت کے حصول اور عبادت میں مصروف ہو گئے۔ اس کی وفات پر اور اس کے مشورے کے مطابق نصیبین کے راہب کے پاس اور اس کے بعد عموریہ میں ایک عیسائی بزرگ کی خدمت میں رہے۔ اس کی خدمت میں رہنے کے دوران حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے گائیوں اور بکریوں کے ریوڑ بھی پال لیے تھے۔ اس نے وفات سے پہلے بتایا کہ خدا کی قسم، اب میرے علم میں زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں جو ہدایت پر ہو۔لیکن اب وہ زمانہ قریب آ گیا ہے جس میں ملک عرب سے دینِ ابراہیمؑ کا حامل ایک نبی نمودار ہونے والا ہے۔ وہ اپنے شہر سے ایک ایسی آبادی کی طرف ہجرت کر کے

آئے گا جس میں کھجوروں کے باغ ہوں گے جو دو لاوے کی چٹانوں سے گھری ہوئی ہے۔اس کی کچھ نشانیاں ایسی ہیں جو چھپ نہیں سکتیں۔ وہ تحفہ و ہدیہ تو قبول کر لے گا لیکن صدقہ کا مال نہیں کھائے گا۔ اوراس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ ہو سکے تو اس بستی کی طرف چلا جا۔

یثرب کی طرف

عموریہ کے راہب کی وفات کے بعد کچھ عرصہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے وہیں قیام کیا۔عرب کے قبیلہ کلب کے کچھ تاجروں کا ادھر سے گزر ہوا۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تم مجھے اپنے ساتھ ملک عرب میں لے جاؤ تو میں اپنے یہ مویشی تمہیں دے دوں۔ وہ مان گئے۔جب یہ لوگ وادی القریٰ پہنچے تو انہوں نے غداری کی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ کچھ دنوں بعد بنوقریظہ کا ایک شخص جو اس یہودی کا چچا زاد بھائی بھی تھا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو خرید کر اپنے ساتھ یثرب میں لے گیا۔ انہوں نے وہاں وہ باغات وغیرہ دیکھے جس کا ذکر عموریہ کے راہب نے کیا تھا۔ٹھیک وہی نقشہ، وہی لاوے کی چٹانیں! اسی طرح کے کھجوروں کے باغات! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سوچا یہ تو وہی منظر ہے! اسی کی تو مجھے تلاش تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یثرب تشریف آوری

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکے میں لوگوں کو اللہ کے دین اسلام کی طرف بلا رہے تھے۔لیکن اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہاں رہنا دشوار کر دیا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں نے وہاں سے ہجرت کر کے یثرب پہنچنا شروع کر دیا تھا اور بالآخر وہ گھڑی آ گئی جس کا سلمان رضی اللہ عنہ کو زندگی بھر سے انتظار تھا۔اللہ کے وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی یثرب تشریف لے آئے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک کھجور کے درخت پر تھے اور مالک اس درخت کے نیچے بیٹھا تھا۔ اس کا ایک رشتہ دار اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔''اللہ ستیاناس کرے ان اوس اور خزرج کا! یہ اس وقت قباء میں اس آدمی کے پاس جمع ہو رہے ہیں جس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے۔سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ سنتے ہی میں بے چین ہو گیا۔ مجھے ڈر ہوا کہ میں کہیں اپنے مالک پر نہ گر پڑوں۔فوراً نیچے آیا اور اس آدمی سے کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ذرا مجھے بھی سنایئے۔ میرے مالک نے ڈانٹ کر کہا تیرا اس بات سے کیا تعلق؟ جا، جا کے اپنا کام کر۔

بارگاہِ رسالت ؐ میں حاضری اور قبولِ اسلام

شام ہوئی تو میں نے کچھ کھجوریں لیں اور یثرب کی نواحی بستی قبا میں اس رسول کے پاس پہنچا اور کہا'' مجھے پتا چلا تھا کہ آپ ایک نیک اِنسان ہیں اور آپ کے ساتھ پردیس سے آئے ہوئے کچھ ساتھی بھی ہیں جو حاجت مند ہیں۔میرے پاس یہ صدقے کا کچھ مال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات سے زیادہ اس کا حق دار کوئی نہیں۔ان صاحب نے اپنے

ساتھیوں سے کہا کھاؤ، لیکن اپنا ہاتھ ادھر نہ بڑھایا اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ میں نے دل میں کہا ایک نشانی تو صحیح ثابت ہوئی۔ پھر میں وہاں سے چلا آیا۔

جب ''وہ رسول'' مدینے میں آ گیا تو میں پھر اس کے پاس کھجوریں لے کر گیا اور اس سے کہا میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ صدقے کی چیز نہیں کھاتے۔ تو میں آپ کے لیے یہ تحفہ کے طور پر لایا ہوں، قبول فرمائیے۔ اس نے اس میں سے خود بھی کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلایا۔ میں نے دل میں کہا یہ دوسری نشانی بھی پوری ہوئی۔

پھر ایک دن میں بقیع میں اس رسول کی خدمت میں حاضر ہوا جہاں وہ اپنے کسی ساتھی کو دفن کرنے گئے تھے۔ سلام کیا اور اُس مہر نبوّت کی تلاش میں آپؐ کی پشت کے چکر کاٹنے لگا جس کا ذکر مجھ سے عموریہ کے راہب نے کیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ میں ان کی پشت کی طرف دیکھ رہا ہوں تو انہوں نے میری غرض پہچان لی اور اپنی پشت سے چادر ہٹائی۔ میں نے غور سے دیکھا تو مجھے وہ مہر نبوت نظر آ گئی۔ مجھے میری مُراد مل گئی تھی! میں بے قابو ہو کر اس کی طرف جھک گیا۔ میں اسے بوسہ دیتا جاتا تھا اور زار و قطار روتا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تمہیں کیا ہو گیا ہے! میں نے اپنی تلاشِ حق کا سارا ماجرا بیان کر دیا اور صحابہؓ کو بھی سنایا۔ سب سن کر بے حد خوش ہوئے، روشنی کے اس مسافر کو اس کے مالک حقیقی نے اس کی طلب میں سچا پایا۔ اُس نے اسے منزل تک پہنچانے کا خُود ہی اہتمام فرما دیا اور اسے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیا۔

منزلِ مُراد

صحابہؓ کی فطرت سلیم تھی۔ انہیں شروع ہی سے سچائی اور حقیقت کی تلاش تھی۔ اس کے لیے انہوں نے جدوجہد کی اور بالآخر اللہ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔ ان کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اِنسان کا مقصد زندگی پاکیزہ اور نصب العین بلند ہونا چاہیے۔ اس کے اندر سچائی اور حقیقت کی تلاش کا سچا جذبہ ہونا چاہیے اور پھر اس کے لیے یک سو ہو کر انسان پوری کوشش میں مصروف ہو جائے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی طرف خود متوجہ ہوتی ہے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ مبارک ہے یہ نصب العین! مبارک ہے اس کی تلاش کا سفر! مبارک ہے اس راستے کی محنت و مشقت اور اس کے لیے جدوجہد اور مبارک ہیں وہ جو کامیابی کے ساتھ اس منزل پر پہنچنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے کامیاب اور بامُراد لوگوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

مشق

1- حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا خاندانی پس منظر بیان کریں۔

2- حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تلاشِ حق کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ انہوں نے کن حالات میں اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہا۔

3- شام میں پہنچنے کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر کیا گزری؟

4- عموریہ کے راہب نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو سرکار مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا نشانیاں بتائی تھیں؟

5- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدینہ کس طرح پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے متعلق انہیں کس طرح علم ہوا؟

6- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور قبول اسلام کا واقعہ بیان کریں۔

7- خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی زندگی تلاشِ حق کا ایک مسلسل.................. ہے۔

(ب) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے والد علاقے کے ایک.................. تھے۔

(ج) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو.................. کا فرزند کہتے تھے۔

(د) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے گھر والے مذہبی لحاظ سے.................. تھے۔

(ہ) جو لوگ ہمارے راستے کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں ہم اپنی راہوں کی طرف ان کی.................. کر دیا کرتے ہیں۔

(و) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پشت سے چادر ہٹائی تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے.................. دیکھ لی۔

(ز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہمارے.................. کا ایک فرد ہے۔

4- محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

فاتحِ سندھ عماد الدین محمد بن قاسمؒ ایک سترہ سالہ نوجوان اور اسلامی تاریخ کے کم عمر جرنیل تھے۔ وہ فولادی دل جگر رکھنے والے، بلند خیالات، مستحکم ارادے اور بہادری کے جوہر سے مالا مال تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ انتہائی رحمدل اور مہربان بھی تھے۔

آپ 695ء میں طائف کے بنو ثقیف قبیلے میں پیدا ہوئے۔ عراق کے گورنر نے محمد بن قاسمؒ کے والد ''قاسم'' کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔ محمد بن قاسمؒ کے والد اُن کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

تعلیم وتربیت

والد کی وفات کے بعد جب اُن کی عمر پانچ سال ہوئی تو حجاج بن یوسف نے اُن کی ذہانت کو دیکھ کر اُس دور کے مطابق بصرہ کے عسکری سکول میں داخل کروا دیا۔ جہاں سے انہوں نے جہاد اور امورِ سلطنت کی بجا آوری کی تعلیم حاصل کی تھی۔ میدانِ جنگ میں عملی تجربے کیلئے حجاج بن یوسف نے اُنہیں مختلف محاذوں پر بھیجا۔ مثلاً خراسان، ترکستان کی طرف جانے والے جہادی قافلوں میں شامل کیا جن کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلمؒ تھے۔ اس میں محمد بن قاسمؒ نے اُن کے نائب کی حیثیت سے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

سندھ کی فتح

اس دور میں عرب تاجر خلیج فارس اور بحیرۂ عرب کے راستے دُور دُور تک مالِ تجارت لے کر جاتے تھے۔ ان تاجروں میں سے اکثر ان ہی ممالک میں آباد ہو گئے تھے۔ جزیرہ سراندیپ (لنکا) میں مقیم بعض عرب تاجروں کا انتقال ہو گیا۔ اِن عرب تاجروں کے اہل وعیال کو ایک جہاز کے ذریعے واپس بھیجا گیا۔ ان کے پاس قیمتی تحائف بھی تھے۔ جب یہ جہاز دیبل کے قریب پہنچا تو سندھ کے حاکم راجہ داہر کے سپاہیوں نے جہاز لوٹ لیا اور عرب عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔

یہ خبر اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عراقی گورنر حجاج بن یوسف کو ملی۔ اُس نے سندھ کے حکمران راجہ داہر کو خط لکھا کہ عرب قیدیوں کو رہا کیا جائے اور ڈاکوؤں سے لوٹا ہوا مال واپس لے کر عراق بھیجا جائے۔ راجہ داہر نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اور کہا کہ '' یہ کام سمندری ڈاکوؤں کا ہے۔ میں اس معاملے میں بے بس ہوں۔'' اس جواب کے بعد حجاج بن یوسف نے سندھ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا اور باقاعدہ طور پر خلیفہ سے اجازت حاصل کی۔

حجاج بن یوسف نے چھے ہزار تربیت یافتہ شامی فوج کا لشکر تیار کیا۔ یہ ساری فوج تیز رفتار گھوڑوں پر سوار تھی۔ اس فوجی دستے کے پاس بہت سی منجنیقیں تھیں۔ جن میں قلعہ شکن ''عروس'' نامی منجنیق بھی تھی۔ جس کو پانچ سو سپاہی حرکت دیتے تھے۔ محمد بن قاسمؒ اس جرّی فوج کے ہمراہ مکران کے ساحل کو عبور کر کے پنجگور اور ارمن بیلہ کو فتح کرتے ہوئے دیبل پہنچے۔

دیبل میں راجہ داہر کی فوج مسلمانوں کے فوجی لشکر کو دیکھ کر قلعہ بند ہوگئی۔ منجنیق کی سنگ باری سے دیبل کے صنم کدے کا پرچم گر گیا۔ جس سے اہل شہر کی ہمت ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور چند مسلمان کمند ڈال کر فصیل پر چڑھ گئے۔ تین روز لڑائی کے بعد راجہ داہر کے حاکم شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فتح کے بعد محمد بن قاسمؒ نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ غیر مسلموں سے رواداری کا سلوک کیا جائے گا۔ کوئی شخص مندر کی بے حرمتی نہیں کرے گا۔ مسلمانوں نے وہاں کے پُرامن لوگوں کے ساتھ جان بخشی کا سلوک کیا۔ محمد بن قاسمؒ کے حُسنِ سلوک کی وجہ سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ دیبل میں ایک مسجد تعمیر کروائی گئی جو پورے سندھ میں پہلی مسجد تھی۔

محمد بن قاسمؒ کا مقصد خوامخواہ راجہ داہر سے لڑنا نہیں بلکہ اُسے مطیع بنانا تھا۔ اُنہوں نے راجہ داہر کے پاس ''ارور'' میں ایک وفد بھیجا کہ مصالحت پر آمادہ ہو جائے۔ راجہ نے جواب میں کہا کہ اس کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ اس کے بعد راجہ داہر وہاں سے محمد بن قاسمؒ کے ساتھ مقابلے کیلئے افواج لے کر روانہ ہوا۔ مسلمانوں نے راجہ داہر کی کئی گنا بڑی فوج کا سامنا کیا جس میں پہلے ہاتھیوں کی صف تھی پھر دس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل سپاہ تھی۔ خود راجہ داہر ایک سفید ہاتھی پر سوار تھا۔ فریقین میں خونریز جنگ ہوئی۔ مسلمانوں نے راجہ داہر کے ہاتھیوں پر کسی طریقے سے آگ برسانا شروع کی۔ ہاتھی آگ سے ڈرتے ہوئے بھاگے اور اپنی ہی فوج کو کچلنے لگے۔ راجہ کا ہاتھی بھی بھاگ کر ندی کی دلدل میں پھنس گیا۔ اسلامی سپاہ کو فتح نصیب ہوئی۔ محمد بن قاسمؒ نے برہمن آباد کے بعد ملتان کا علاقہ بھی فتح کر لیا۔

وفات

انہی دنوں نئے خلیفہ نے محمد بن قاسمؒ کو سندھ کے عامل کے عہدے سے معزول کر دیا اور یزید بن ابی کبشہ کو سندھ کا عامل مقرر کیا۔ یوں اُن کی فتوحات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ محمد بن قاسمؒ نے زندگی کے آخری ایام نہایت صبر، استقامت اور دلیری سے گزارے۔ فاتحِ سندھ محمد بن قاسمؒ کا انتقال 717ء میں بائیس سال کی عمر میں ہوا۔

اخلاق وعادات

محمد بن قاسمؒ نہایت انصاف پسند اور رعایا کا خیال رکھنے والے حکمران تھے۔ اُنہوں نے سندھ میں تقریباً چھے سال بسر کئے۔ جن میں سے زیادہ تر جہاد اور اسلامی پرچم لہرانے میں گزرے۔ انہوں نے اپنی انصاف پسندی سے لوگوں کے دل جیت لئے۔ لوگ ان کا یہ رویہ دیکھ کر مسلمان ہوتے چلے گئے۔

جنگی ماہرین محمد بن قاسمؒ کی فوجی اور انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک سے اُن کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ اُن کی رحمدلی، معاملہ فہمی اور انصاف پسندی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں کو اُن کی سندھ سے واپسی کے حکم نے زار و قطار رونے پر مجبور کر دیا اور سب اُن سے نہ جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

مشق

1- درج ذیل کے تفصیلی جواب تحریر کیجیے:

(ا) مسلمانوں کے سندھ پر حملے کا سبب بیان کیجیے۔ (ب) دیبل کی فتح پر نوٹ لکھیں۔

(ج) محمد بن قاسمؒ کی جنگی مہمات بیان کیجیے۔

2- مختصر جواب تحریر کریں۔

(ا) عرب تاجر کس راستے سے مالِ تجارت لے جاتے تھے؟

(ب) محمد بن قاسمؒ کے والد کہاں کے عامل تھے؟ (ج) محمد بن قاسمؒ کی جگہ کس کو سندھ کا عامل مقرر کیا گیا؟

(د) میدانِ جنگ کے عملی تجربے کے لیے محمد بن قاسمؒ کو کہاں بھیجا گیا؟

(ہ) فتح کے بعد محمد بن قاسمؒ نے مفتوحہ عوام سے کیسا سلوک کیا؟

3- خالی جگہ پر کریں۔

(ا) محمد بن قاسمؒ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ طائف کے قبیلے میں پیدا ہوئے۔

(ب) دیبل میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی فوج مسلمانوں کے فوجی لشکر کو دیکھ کر قلعہ بند ہو گئی۔

(ج) دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسمؒ نے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی طرف پیش قدمی کی۔

(د) محمد بن قاسمؒ نے سندھ میں تقریباً ۔۔۔۔۔۔۔ سال بسر کیے۔

(ہ) راجہ داہر ایک ۔۔۔۔۔۔۔ ہاتھی پر سوار تھا۔

4- دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(1) دیبل کی فتح کے بعد وہاں تعمیر کروائی گئی۔

(ا) مسجد (ب) جیل (ج) چھاؤنی (د) اونچی عمارت

(2) محمد بن قاسمؒ کے والد فوت ہو گئے اُن کے:

(ا) بچپن میں (ب) لڑکپن میں (ج) جوانی میں (د) بڑھاپے میں

(3) دیبل کی جنگ میں ''عروس'' نامی قلعہ شکن منجنیق کو سپاہی حرکت دیتے تھے:

(ا) تین سو (ب) چار سو (ج) پانچ سو (د) چھے سو

(4) راجہ داہر کی فوج میں پیدل سپاہ تھی:

(ا) دس ہزار (ب) بیس ہزار (ج) تیس ہزار (د) چالیس ہزار

سرگرمی برائے طلبہ

کمرۂ جماعت میں اساتذہ کرام کی زیرِ نگرانی سندھ پر حملے کا سبب اور راجہ داہر کے جواب کا خاکہ پیش کریں۔

5- بوعلی ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ

ابنِ سیناؒ اسلامی دنیا کے مشہور طبیب اور سائنسدان تھے۔ انہیں علمِ فلکیات اور ریاضی میں مہارت حاصل تھی۔ وہ حیاتیات کے ماہر خصوصی، علم العلاج اور علم الامراض پر گہری نظر رکھنے والے تھے۔ وہ اگست 980ء میں بخارا کے ایک گاؤں انحشنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حسین والد کا نام عبداللہ اور ''سینا'' آباؤاجداد میں سے کسی کا نام تھا جو اُن کے نام کا حصہ بن گیا۔ اہلِ مغرب میں ''اوی سینا (Avicenna)'' کے نام سے مشہور ہیں۔

تعلیم و تربیت

ابنِ سینا حصولِ تعلیم کے لیے بخارا پہنچے اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں عمدہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے اَنتھک محنت کی۔ دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور ایک عالم ابوعبداللہ ناتلی سے حساب، فقہ، ہندسہ، فلسفہ اور منطق کا علم حاصل کرنا شروع کیا۔ ایک ماہر ریاضی دان محمود مساح سے ریاضی کی تعلیم مکمل کی۔ ذاتی طور پر طب اور طبیعات کا مطالعہ جاری رکھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں انہوں نے اپنے زمانے کے مروجہ علوم حاصل کر لیے۔

اگرچہ ابنِ سیناؒ ایک جامع العلوم شخص تھے لیکن اُنہیں جو شہرت طب میں حاصل ہوئی وہ کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں انہوں نے امیر بخارا کا کامیاب علاج کیا۔ امیر بخارا نے انہیں شاہی کتب خانے کا مہتمم بنا دیا۔ ایک سال میں انہوں نے پورے کتب خانہ سے خوب استفادہ کیا۔ اگلے برس حاکم بخارا فوت ہو گیا۔ حاکم بخارا کی وفات کے بعد انہوں نے بخارا کو خیر باد کہہ دیا۔

1001ء میں وہ خوارزم پہنچے اور علی بن مامون کے دربار میں داخل ہوئے۔ یہاں اُن کی ملاقات اس دور کے علماء و فضلاء سے ہوئی۔ جن میں البیرونی، العراقی، ابوسعید اور ابوالخیر بھی شامل تھے۔ اِن سے اُنہوں نے علمی فائدہ اٹھایا۔ 1009ء میں عراق اور جرجان چلے گئے وہاں چند سال گزارے۔ پھر 1022ء میں اصفہان جا پہنچے۔ زندگی کے آخری چودہ برس اُنہوں نے وہیں قیام کیا۔ بیمار ہونے کے باوجود انہوں نے علمی کام جاری رکھا۔ جب اُن کی پریشانیوں کا دور شروع ہوا تو وہ کہیں سکون سے نہ بیٹھ سکے۔ اُنہیں قید، جلاوطنی اور روپوشی کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ سختی کے حالات اُنہیں علمی تحقیق سے نہ روک سکے۔

اخلاق و عادات

ابنِ سیناؒ نہایت عمدہ اخلاق و عادات کے مالک تھے اور شریعت کے پابند تھے۔ وہ مستقل مزاج اور جفاکش تھے۔ وہ سنجیدہ اور بامروت ہونے کے ساتھ مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے۔ وہ خاموش طبع اور قناعت پسند آدمی تھے۔

امراء و بادشاہوں کی صحبت کے باوجود انہوں نے اپنی عادات نہ بدلیں۔ عیش وعشرت کے دلدادہ نہ تھے۔ کبھی کسی کی خوشامد نہ کی بلکہ ہمیشہ وقار کو ملحوظ رکھا اور اپنے علمی اور تحقیقی کام کو جاری رکھا۔

وفات

جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو جو کچھ گھر میں مال ودولت تھا سب فقراء اور حاجتمندوں میں تقسیم کر دیا اور قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف رہنے لگ گئے۔ بالآخر جون 1037ء کو ہمدان میں مرضِ قولنج کے باعث علم وحکمت کا یہ چراغ گل ہو گیا۔

علمی خدمات اور تصانیف

اکیس سال کی عمر میں اُن کی پہلی تصنیف منظر عام پر آئی۔ پھر مرتے دم تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہر موضوع پر اُن کی کتابیں جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے مشہور و معروف ہیں۔ لیکن یہاں چند مشہور ترین کتب کے نام لکھے جاتے ہیں۔ کتاب المجموع، کتاب الحاصل والمحصول، کتاب البر والاثم، کتاب الشفاء، کتاب القانون اور کتاب النجاۃ وغیرہ۔

اُن کی کتابیں بیس، بیس جلدوں میں بھی شائع ہوئیں۔ طب پر مشہور کتب القانون اور الادویہ کے بارہویں صدی عیسوی میں مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے۔ پھر چھے سو سال تک وہ یورپ کی میڈیکل یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل رہیں۔

اِن کتب میں علم کیمیا پر مشاہداتی اور تجرباتی خیالات ونظریات بیان کئے گئے ہیں۔ علمِ ریاضی اور علمِ حیاتیات (بیالوجی) پر بھی گہرے تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ علم طبیعات (فزکس) میں ان کی دریافتیں بہت اہم ہیں۔ حرکت، قوت، خلا، روشنی اور حرارت جیسے مضامین پر بھی گہرا تحقیقی کام کیا اور دنیا کے سامنے اپنا نیا نظریہ پیش کیا جسے تمام ماہرینِ سائنس نے تسلیم کیا ہے۔ بوعلی ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہمارے لیے شوقِ علم اور مستقل مزاجی کا روشن سبق ہے۔

مشق

1- درج ذیل کے تفصیلی جواب تحریر کیجیے:

(ا) بوعلی ابنِ سیناؒ کا تعارف بیان کریں۔

(ب) بوعلی ابنِ سیناؒ کی تعلیم وتربیت اور حالات پر نوٹ لکھیں۔

(ج) بوعلی ابنِ سیناؒ کی علمی خدمات بیان کریں۔

-2 مختصر جواب تحریر کریں:

(ا) ابن سیناؒ نے ریاضی کی تعلیم کس سے حاصل کی؟

(ب) ابن سیناؒ نے منطق اور فلسفہ کا علم کس سے حاصل کیا؟

(ج) ابن سیناؒ نے کن موضوعات پر کتابیں لکھیں؟

-3 خالی جگہ پُر کریں:

(ا) ابن سیناؒ عمدہ۔۔۔۔۔۔کے مالک تھے۔

(ب) ابنِ سیناؒ خاموش طبع اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔آدمی تھے۔

(ج) ابنِ سیناؒ اٹھارہ سال کی عمر میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کی تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔

(د) ابنِ سیناؒ اگست۔۔۔۔۔۔۔کو بخارا کے ایک نواحی گاؤں انشنہ میں پیدا ہوئے۔

-4 درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں:

(1) ابن سیناؒ پیدا ہوئے:

(ا) جرجان میں (ب) بخارا میں (ج) ہمدان میں (د) شیراز میں

(2) ابن سیناؒ نے عراق اور جرجان کا رُخ کیا:

(ا) 1006ء (ب) 1007ء (ج) 1008ء (د) 1009ء

(3) ابن سیناؒ نے ہمدان میں وفات پائی:

(ا) 1035ء میں (ب) 1036ء میں (ج) 1037ء میں (د) 1038ء میں

سرگرمی برائے طلبہ:

اپنے اساتذہ کرام کی زیرنگرانی بوعلی ابن سیناؒ کے اخلاق و عادات کا خاکہ پیش کریں۔

6- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ 21 فروری 1703 میں مشہور مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہدِ حکومت سے چار سال قبل ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ آپؒ کے والد کا نام شاہ عبدالرحیم تھا جو بہت پائے کے عالم، صوفی اور قناعت پسند بزرگ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب اپنے والد کی طرف سے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ آپؒ بچپن ہی سے ذہین تھے اور مضبوط حافظہ کے مالک تھے۔ سات سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد فارسی اور عربی کتابیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پندرہ برس کی عمر میں اُس زمانہ کے مروجہ علوم مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام اور منطق وغیرہ حاصل کر لیے۔

درس وتدریس

والد کے انتقال کے بعد سترہ سال کی عمر میں آپؒ کو مسندِ تدریس سنبھالنا پڑی اور تقریباً بارہ سال تک آپ نے اپنے والد ماجد کے مدرسہ رحیمیہ میں دینی علوم کی تعلیم دی۔ پھر حرمین شریفین کی حاضری کے لیے 1730ء میں سفرِ حجاز کے لیے روانہ ہوئے اور دو سال تک وہاں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں آپؒ نے مدینہ میں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیمؒ کی شاگردی اختیار کر لی۔ اُن سے آپ نے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ 1732ء میں ہندوستان واپس لوٹ آئے اور درس وتدریس کے سلسلے کا دوبارہ آغاز کیا۔ علم کے پیاسے دور دور سے جوق در جوق علم کی پیاس بجھانے آپؒ کے پاس آتے اور حدیث کا علم حاصل کرتے۔

علمی خدمات وتصانیف

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تصنیف وتالیف کے ذریعے احیائے دین کا کام کیا۔ وہ عارفِ کامل، علوم شرعیہ کے محقق اور میدان علم وعمل کے شہسوار تھے۔ آپؒ نے محسوس کیا کہ لوگ قرآنِ کریم کا احترام تو کرتے ہیں اور خیر وبرکت کے لیے اس کی تلاوت بھی کرتے ہیں لیکن اس کے معنی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ چنانچہ آپؒ نے دین کی تعلیم کو آسان اور عام فہم بنانے کے لیے پہلی مرتبہ قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ آپؒ نے علم تفسیر پر بھی کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''الفوز الکبیر'' بہت عمدہ اور مشہور کتاب ہے۔ حجازِ مقدس میں قیام کے دوران آپؒ نے وہاں کے جلیل القدر اساتذہ سے علومِ حدیث کی سند حاصل کی اور وطن واپس آنے کے بعد آپؒ نے خود کو خدمتِ حدیث کے لیے وقف کر دیا۔

علمِ فقہ میں بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ نے متعدد کتابیں لکھیں۔ آپؒ نے اسرارِ شریعت پر ایک عظیم الشان کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' لکھی۔ آپؒ نے مسلمانوں کے اندر پائے جانے والے فقہی اختلافات اور فرقہ وارانہ تنازعات میں انتہا پسندی اور تشدد کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؒ نے مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں میں اتفاق واتحاد پیدا کرنے کے سلسلے میں عملی کام کیے۔

آپؒ نے تصوف کے موضوع پر بھی متعدد کتابیں تحریر کیں۔ آپؒ بیک وقت مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد اور صوفی تھے۔ آپؒ اُس زمانہ میں پیدا ہوئے کہ جب ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت زوال پذیر ہو رہی تھی۔ مسلمان علمی، معاشرتی، اخلاقی، روحانی اور عسکری اعتبار سے تباہی کی طرف جا رہے تھے۔ آپؒ نے مسلمانوں کی یہ صورت حال دیکھ کر ان کی اصلاح کی طرف کامل توجہ فرمائی، اس زمانہ کے طریقہ تعلیم اور نصاب کو بدلا، دین سے بدعات و خرافات اور بے سرو پا باتوں کو الگ کیا۔ آپؒ نے قرآن و سنت کے علوم کی صحیح بنیاد ڈالی اور قوم کی بدحالی کا مداوا کیا۔ آپ کے چاروں بیٹے بھی علم و فضل میں ممتاز ہوئے اور اُنہوں نے اپنے والد ماجد کے کام کو جاری رکھا۔

وفات و تدفین

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال 20 اگست 1762ء کو ہوا۔ آپؒ پرانی دہلی میں ترکان گیٹ کے قریب اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔ اس خاندان کے ہر فرد کے آفتابِ علم حدیث ہونے کی وجہ سے یہ قبرستان محدثین کے قبرستان کے نام سے بھی مشہور ہے۔

مشق

1- تفصیلی جواب لکھیں:

(ا) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کے حالات لکھیے۔

(ب) مدینہ منورہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کونسے علوم حاصل کئے نیز اُن کے اُستاد کون تھے؟

(ج) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کا ترجمہ کیوں کیا؟

(د) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی احیائے دین کے لیے خدمات مختصراً تحریر کریں۔

(ہ) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی سی دو کتابوں کے نام اور اُن کے موضوعات لکھیں۔

2- مختصر جواب دیں:

(ا) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کب پیدا ہوئے؟

(ب) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنِ کریم کا ترجمہ کس زبان میں کیا؟

(ج) سب سے پہلے قرآنِ کریم کا ترجمہ کس نے کیا؟

(د) برصغیر میں قرآن و سنت کی صحیح بنیاد کس نے ڈالی؟

(ہ) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کب وفات پائی اور کہاں دفن ہوئے؟

3- خالی جگہ پُر کریں۔

(ا) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ضلع ۔۔۔۔۔۔۔ میں پیدا ہوئے۔

(ب) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اُستادِ محترم کا نام ۔۔۔۔۔ تھا۔

(ج) حجۃ اللہ البالغہ ۔۔۔۔۔ کی کتاب ہے۔

(د) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وسنت کے علوم کی صحیح ۔۔۔۔۔۔۔ ڈالی۔

(ہ) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۔۔۔۔ میں وفات پائی۔

4- دُرست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(1) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے جاملتا ہے:

(ا) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے (ب) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے

(ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے (د) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

(2) آپؒ نے قرآنِ کریم حفظ کر لیا تھا:

(ا) دس سال کی عمر میں (ب) چھے سال کی عمر میں

(ج) گیارہ سال کی عمر میں (د) سات سال کی عمر میں

(3) حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا:

(ا) فارسی میں (ب) اردو میں

(ج) سندھی میں (د) ہندی میں

(4) آپؒ کے چاروں بیٹے ممتاز ہوئے:

(ا) علم وفضل میں (ب) سخاوت میں

(ج) فتوحات میں (د) سیاست میں

سرگرمی برائے طلبہ

سکول کی لائبریری سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کے متعلق کوئی کتاب حاصل کر کے اُن کے علمی کارناموں کی مزید تفصیل پڑھیے اور جماعت میں اُس کا مذاکرہ کیجیے۔